ہفت روزہ

ندائے خلافت

لاہور

45

17 دسمبر 2003ء — 22 شوال 1424ھ

- قرآن کن لوگوں کے لئے شفاء ورحمت ہے؟
- صدر مشرف، متحدہ مجلس عمل اور ایل ایف او
- سن ستاون میں عام اقتصادی حالت

اے آر وائی کے ڈاکٹر شاہد مسعود کا انٹرویو

www.tanzeem.org

اتحادِ اسلامی: وقت کی عین ضرورت

دنیا کے تمام رشتے ٹوٹ سکتے ہیں، مگر اسلام کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ ممکن ہے کہ ایک باپ اپنے لڑکے سے روٹھ جائے، بعید نہیں کہ ایک ماں اپنی گود سے بچے کو الگ کر دے، ہوسکتا ہے کہ ایک بھائی دوسرے بھائی کا دشمن ہو جائے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ دنیا کے تمام عہد مودت، خون اور نسل کے باندھے ہوئے پیمانِ وفا ومحبت ٹوٹ جائیں۔ مگر جو رشتہ ایک چین کے مسلمان کو افریقہ کے مسلمان سے، ایک عرب کے بدو کو تاتار کے چرواہے سے اور ایک ہندوستان کے نومسلم کو مکہ معظمہ کے صحیح نسب قریشی سے پیوست و یک جان کرتا ہے، دنیا میں کوئی طاقت نہیں ہے جو اسے توڑ سکے اور اس زنجیر کو کاٹ سکے، جس میں خدا کے ہاتھوں نے انسان کے دلوں کو ہمیشہ کے لئے جکڑ دیا ہے۔

پس اے عزیزانِ ملت! اور اے بقیہ ماتم زدگان قافلہ اسلام! اگر یہ سچ ہے کہ دنیا کے کسی گوشے میں پیروانِ اسلام کے سروں پر تلوار چمک رہی ہو، تو تعجب ہے، اگر اس کا زخم ہم اپنے دلوں میں نہ دیکھیں۔ اگر اس آسمان کے نیچے کہیں بھی ایک مسلم پیرو توحید کی لاش تڑپ رہی ہے، تو لعنت ہے ان سات کروڑ زندگیوں پر جن کے دلوں میں اس کی تڑپ نہ ہو۔ اگر مراکش میں ایک حامی وطن کے حلق بریدہ سے ایک خون کا فوارہ چھوٹ رہا ہے، تو ہم کو کیا ہو گیا ہے کہ ہمارے منہ سے دل وجگر کے ٹکڑے نہیں گرتے؟ ایران میں اگر وہ گردنیں پھانسی کی رسیوں میں لٹک رہی ہیں جن سے آخری ساعت نزع میں اشھد ان لا الہ الا اللہ کی آواز نکل رہی تھی، تو ہم پر اللہ اور اس کے ملائکہ کی پھٹکار ہو، اگر اپنی گردنوں پر اس کے نشان محسوس نہ کریں۔ اگر آج بلقان کے میدانوں میں حافظین کلمہ توحید کے سر اور سینے صلیب پرستوں کی گولیوں سے چھد رہے ہیں، تو ہم اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسول ﷺ کے آگے ملعون ہوں اگر اپنے پہلوؤں کے اندر ایک لمحہ کے لئے بھی راحت اور سکون محسوس کریں۔ میں کہہ رہا ہوں، حالانکہ اسلام کی روح کا ایک ذرہ بھی اس کے پیروؤں میں باقی ہے، تو مجھ کو کہنا چاہئے کہ اگر میدان جنگ میں کسی ترک کے تلوے میں ایک کانٹا چبھ جائے، تو قسم ہے خدائے اسلام کی کہ کوئی ہندوستان کا مسلمان، مسلمان نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اس کی چبھن کو تلوے کی جگہ اپنے دل میں محسوس نہ کرے، کیونکہ ملت اسلام ایک جسم واحد ہے اور مسلمان خواہ کہیں ہوں، اس کے اعضاء و جوارح ہیں۔ اگر ہاتھ کی انگلی میں کانٹا چبھے، تو جب تک باقی اعضاء کٹ کر الگ نہ ہو گئے ہوں، ممکن نہیں کہ اس صدمے سے بے خبر رہیں اور یہ جو کچھ کہہ رہا ہوں، محض اظہار مطلب کا زور بیان ہی نہیں ہے، بلکہ عین ترجمہ ہے۔ اس حدیث مشہور کا جس کو امام احمد مسلم نے نعمان بن بشیر سے روایت کیا ہے کہ جناب رسول کریم علیہ صلوٰۃ تسلیم نے فرمایا ہے "مسلمانوں کی مثال باہمی مودت و مرحمت اور محبت و ہمدردی میں ایسی ہے جیسے ایک جسم واحد کی، اگر اس کے ایک عضو میں کوئی شکایت پیدا ہوتی ہے، تو سارا جسم اس تکلیف میں شریک ہو جاتا ہے" اور اسی کے ہم معنی صحیحین کی وہ حدیث ہے جس کو ابوموسیٰ اشعری نے روایت کیا ہے: "ایک مومن دوسرے مومن کے لئے ایسا ہے جیسے کسی دیوار کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے" اور فی الحقیقت یہ خصائص مسلم میں سے ایک اوّلین اور اشرف ترین خصوصیت ہے جس کی طرف قرآن شریف نے اپنے جامع اور مانع الفاظ میں اشارہ کیا ہے: "کافروں کے لئے نہایت سخت۔ مگر آپس میں نہایت رحیم اور ہمدرد"۔ ان میں جس قدر سختی ہے باطل اور کفر کے لئے اور ان کی جس قدر محبت والف ہے حق وصدق اور اسلام اور توحید کے لئے۔

ماخذ: خطبہ کلکتہ، اکتوبر 1914ء

تحریر: مولانا ابو الکلام آزاد

سورۃ البقرۃ (آیات 268-270)

ڈاکٹر اسرار احمد

بسم اللہ الرحمٰن الرَّحیم

﴿اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَیَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ ج وَاللّٰہُ یَعِدُکُمْ مَّغْفِرَۃً مِّنْہُ وَفَضْلًا ط وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ o یُّؤْتِی الْحِکْمَۃَ مَنْ یَّشَآءُ ط وَمَنْ یُّؤْتَ الْحِکْمَۃَ فَقَدْ اُوْتِیَ خَیْرًا کَثِیْرًا ط وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ o وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ نَّفَقَۃٍ اَوْ نَذَرْتُمْ مِّنْ نَّذْرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُہٗ ط وَمَا لِلظّٰلِمِیْنَ مِنْ اَنْصَارٍ o﴾

''اور (دیکھنا) شیطان (کا کہانہ ماننا' وہ) تمہیں تنگ دستی کا خوف دلاتا ہے اور بے حیائی کے کام کرنے کو کہتا ہے' جبکہ اللہ تم سے اپنی بخشش اور رحمت کا وعدہ کرتا ہے' اور اللہ بڑی کشائش والا (اور) سب کچھ جاننے والا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے دانائی بخشتا ہے' اور جس کو دانائی ملی بے شک اس کو بڑی نعمت ملی' اور نصیحت تو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ اور تم (اللہ کی راہ میں) جس طرح کا خرچ کرو یا کوئی نذر مانو اللہ اس کو جانتا ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں۔''

شیطان کے دھوکے سے ہوشیار رہیے' کیونکہ وہ تمہیں فقر و فاقہ کے اندیشے میں مبتلا کرتا ہے۔ وہ کہتا ہے خرچ مت کرو کل کا کیا پتہ کہ کیسا وقت آ جائے۔ وہ تو دولت جمع کر کے رکھنے کی ترغیب دیتا اور اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے روکتا ہے۔ اور وہ ایسا کیوں نہ کرے گا' اس کا کام ہی یہ ہے کہ برائی اور بے حیائی کے کاموں پر اکسائے اور نیکی سے باز رکھے۔ جبکہ اللہ تعالیٰ نیک کاموں کی ترغیب دیتا ہے اور اس پر مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے۔ [فضل کا لفظ قرآن مجید میں روزی کے معنوں میں بھی استعمال ہوا ہے] تو یوں اللہ کی راہ میں خرچ کرنا بخشش کا سبب بھی ہے اور روزی میں اضافے کا باعث بھی۔ اب صورتِ حال ایسی ہو گئی کہ

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر آتا ہے دیکھیں یا اُدھر پروانہ جاتا ہے!

اب شیطان کی طرف جانا چاہتے ہو' اُس کی بات ماننا چاہتے ہو کہ خرچ کرنے سے واقعی فقر و فاقہ کی نوبت نہ آ جائے اور اس اندیشے کے زیر اثر دولت سنبھال سنبھال کر رکھ رہے ہو تو یوں سمجھیے کہ شیطان کی پیروی کی۔ اور اگر اللہ کی راہ میں خرچ کیا اس اعتماد اور بھروسے پر کہ جو آج ضرورتیں پوری کر رہا ہے وہ کل بھی کرے گا تو شیطان کے چنگل سے بچ گئے۔ اور اللہ تو بہت وسعت والا اور علیم ہے۔ اُس کے خزانوں کی محدودیت کا تو کوئی تصور بھی اپنے ذہن میں نہ رکھنا چاہئے۔ اور پھر وہ سب کچھ جاننے والا ہے' اُسے تمہارے حالات و کوائف کا خوب علم ہے۔

لیکن یہ ساری باتیں حکمت کی ہیں۔ ایک ہے ظاہر اور ایک ہے باطن۔ ظاہر تو سب کو نظر آ رہا ہے مگر باطن حکمت سے نظر آتا ہے۔ حکمت دراصل کسی شے کی حقیقت کو جاننا ہے۔

اے اہل نظر ذوق نظر خوب ہے لیکن
جو شے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا!

یہ حقیقت جس پر عیاں ہو جاتی ہے وہ ہے حکیم۔ پس حکمت انسان کی عقل اور شعور کی پختگی کا نام ہے۔ استحکام اور حکمت کا مادہ ایک ہی ہے۔ فہم و شعور اور حقائق تک پہنچ پانے کی صلاحیت اللہ تعالیٰ جس کو چاہتا ہے عطا کرتا ہے اور پھر جسے حکمت دے دی گئی اسے تو گویا خیر کثیر مل گئی' اس سے بڑا خیر تو اور کوئی ہے ہی نہیں' اور نصیحت تو صرف ہوش مند ہی حاصل کر سکتے ہیں لیکن جو دنیا پر ریجھ گئے جن کا سارا دلی اطمینان اسی پر ہے کہ Bank Balance کافی ہے' جائیداد بھی بہتیری ہے' Stocks بھی ہیں' بس انہی چیزوں پر سارا بھروسہ اور اطمینان ہے' ایسے لوگ اولوا الالباب نہیں ہیں۔

اور جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اور جو بھی نذر مانتے ہو اللہ کے نام پر اللہ تعالیٰ اس سب کو جانتا ہے اور یقیناً ظالموں کے لئے کوئی مددگار نہیں ہوں گے۔

فرمانِ نبویؐ

نمازی کے آگے سے گزرنا جرمِ عظیم ہے

چوہدری رحمت اللہ بٹر

عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: ((لَوْ یَعْلَمُ اَحَدُکُمْ مَالَہٗ فِیْ اَنْ یَّمُرَّ بَیْنَ یَدَیْ اَخِیْہِ مُعْتَرِضًا فِی الصَّلَاۃِ کَانَ لَاَنْ یُّقِیْمَ مِائَۃَ عَامٍ خَیْرٌ لَّہٗ مِنَ الْخَطْوَۃِ الَّتِیْ خَطَاھَا.)) (رواہ ابن ماجہ)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ آقائے نامدار ﷺ نے فرمایا: ''اگر تم میں سے کوئی یہ جان لے کہ اپنے مسلمان بھائی کے سامنے سے جب کہ وہ نماز پڑھ رہا ہو عرضاً گزرنا کتنا بڑا گناہ ہے تو اس کے لئے سو برس تک کھڑے رہنا ایک قدم آگے بڑھانے سے بہتر معلوم ہو۔''

اس حدیث میں نماز پڑھتے ہوئے آدمی کے سامنے سے گزرنے سے منع کرتے ہوئے اس فعل کی سنگینی کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگلی صف میں نماز پڑھنے والے جب مسجد سے نکلنا چاہتے ہیں تو پچھلی صفوں میں سنتیں اور نفل پڑھنے والوں کے سامنے سے گزر جاتے ہیں۔ چنانچہ اس حدیث کو عام کرنے کی ضرورت ہے کہ نمازی کے سامنے سے نہیں گزرنا چاہئے چاہے کتنی ہی دیر انتظار کرنا پڑے' کیونکہ اس معاملے میں بے احتیاطی اور غفلت گناہِ عظیم کا باعث ہے۔

تا خلافت کی بنا' دنیا میں ہو پھر استوار
لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب و جگر

قیام خلافت کا نقیب

ندائے خلافت

شمارہ	11 دسمبر تا 17 دسمبر 2003ء	جلد
45	۱۶ تا ۲۲ شوال ۱۴۲۴ھ	12

بانی: اقتدار احمد مرحوم

مدیر مسئول: حافظ عاکف سعید

مدیر انتظامی: سید قاسم محمود

مجلس ادارت: ڈاکٹر عبدالخالق۔ مرزا ایوب بیگ
سردار اعوان۔ محمد یونس جنجوعہ

نگران طباعت: شیخ رحیم الدین

اس شمارے میں

3۔ اندھے فیصلے' اندھی گلی (اداریہ)
5۔ قرآن کن لوگوں کے لئے شفاء و رحمت ہے؟ (خطبہ جمعہ)
8۔ صدر مشرف' ایم ایم اے اور ایل ایف او (تجزیہ)
10۔ ہندوستان میں عام اقتصادی حالت (تاریخ)
12۔ کیا وہ پاگل تھی؟ (امریکا میں مسلمان!)
13۔ اے آر وائی کے ڈائریکٹر نیوز ڈاکٹر شاہد مسعود سے انٹرویو
15۔ غربت کی تباہ کاریاں (کتاب نما)
17۔ رسومات (ایمانیات کا قسط وار سلسلہ)

مرکزی دفتر تنظیم اسلامی:
67۔ گڑھی شاہو' علامہ اقبال روڈ لاہور۔(54000)
فون: 6316638-6366638 فیکس: 6305110
E-Mail:markaz@tanzeem.org

مقام اشاعت: 36۔کے' ماڈل ٹاؤن' لاہور

سالانہ زرِ تعاون: 250 روپے' فی شمارہ: 5 روپے
برائے یورپ' ایشیا' افریقہ وغیرہ (1500 روپے)
برائے امریکہ' کینیڈا' آسٹریلیا وغیرہ (2200 روپے)
("ادارہ" کا مضمون نگاروں کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں)

ناشر محمد سعید اسعد ○ مطبع مکتبہ جدید پریس لاہور

دارالمطالعہ قرآن اکیڈمی
نمبر 11-12
۳۶۔کے ماڈل ٹاؤن لاہور

اداریہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اندھے فیصلے' اندھی گلی

"سب سے پہلے پاکستان" کا اجنبی اور درآمدی پودا ہی اہلِ پاکستان کی طبعی سرشت قبول نہ کر سکی تھی' کہ رمضان کے آخری عشرے اور عید کے دنوں میں اربابِ اقتدار نے جانے کیوں' یکے بعد دیگرے ایسے شدید اور خوفناک جھٹکے دیئے کہ قوم کی ذہنی زندگی میں زلزلہ سا آ گیا ہے اور لوگ ششدر' حیران پریشان ایک دوسرے سے پوچھ رہے ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے' یہ اندھے فیصلے ہمیں کس اندھی گلی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

27 نومبر کو وزیراعظم میر ظفر اللہ خان جمالی نے اپنی حکومت کا ایک برس مکمل ہونے پر قوم سے خطاب کیا جس کا مرکزی نکتہ یہ تھا کہ کشمیر میں کنٹرول لائن پر "جنگ بندی" کا اعلان کر دیا' حالانکہ دونوں ملکوں کے درمیان کوئی جنگ نہیں ہو رہی تھی۔ وزیراعظم کا یہ اعلان سنتے ہی بھارت کی باچھیں کھل گئیں۔ وہ ربع صدی سے جس عذاب میں مبتلا تھا' پاکستان کے وزیراعظم نے اُسے عذاب سے نکال لیا۔ اس نے مطالبہ کیا کہ جنگ بندی کا اعلان سیاچین پر بھی ہونا چاہئے۔ اگلے ہی دن پاکستان کے وزیر خارجہ جناب خورشید محمود قصوری نے اعلان فرمایا کہ کہ ہندوستان کو جو تحریر بھیجی گئی ہے' اس میں کنٹرول لائن' ورکنگ باؤنڈری اور سیاچین بھی شامل ہے۔ نیز انہوں نے یہ غیر ضروری وضاحت کرنا بھی ضروری جانا کہ ہمارے اس یک طرفہ اعلان سے ہندوستان کے وہ اندیشے بھی دور ہو جائیں گے جو وہ دراندازی کے بارے میں کرتا رہتا ہے۔

پاکستان کے وزیر خارجہ ابھی اپنے وزیراعظم کے یک طرفہ اعلان کی وضاحت کر ہی رہے تھے کہ جنرل پرویز مشرف نے تاجر حضرات کی ایک عالمی تنظیم کے سو رکنی وفد سے ملاقات کے وقت یک طرفہ اور غیر مشروط اعلان کیا کہ پاکستان فوری طور پر بھارت کے لئے اپنی فضائی حدود کھول رہا ہے۔ سوال یہ ہے کہ فضائی حدود پر پابندی کس نے لگائی تھی اور فضائی رابطہ کس نے ختم کیا تھا اور ایسا جذباتی فیصلہ کیوں کیا تھا کیونکہ جب حساب کتاب کا وقت آیا تو تو بھارت کو پتہ چلا کہ اس فیصلے سے پاکستان کو بہت معمولی نقصان ہوا ہے اور محض سترہ یا اٹھارہ پی آئی کی پروازیں متاثر ہوئی ہیں' جبکہ ایئر انڈیا کی 200 سے زیادہ پروازیں جن کو پاکستان کی فضائی حدود سے گزرنا پڑتا ہے متاثر ہوئی ہیں۔ ہندوستان سیاچین والی غلطی کی طرح اپنے اس فیصلے کی غلطی کی وجہ سے بھی پریشان تھا۔ لیکن صدرِ مملکت کے اعلان نے اس کی یہ پریشانی بھی دور کر دی۔

4 دسمبر کو بھارت نے یکم جنوری سے سمندری رابطوں کی تجویز دی تا کہ بھارتی کوسٹ گارڈرز اور پاکستان کی میری ٹائم سیکورٹی ایجنسی کے درمیان رابطے ہوں۔ پاکستان نے اس تجویز کو بہ سرو چشم قبول کیا۔ 5 دسمبر کو بھارت نے "سمجھوتہ ایکسپریس" کی بحالی کے لئے 18 اور 19 دسمبر کو مذاکرات کی تجویز دی۔ پاکستان نے کہا' یہ تجویز ہماری ہی تھی' ہمیں کوئی مشکل نہیں۔ 6 دسمبر کو وزیراعظم جمالی صاحب نے کہا کہ ہم کھوکھراپار سرحد کھولنے پر غور کر رہے ہیں۔

پاکستان کی ان تمام تجویزوں' فیصلوں اور خیر سگالی کے یک طرفہ اعلانات میں کہیں اس "کور ایشو" کا برائے نام حوالہ بھی نہیں' جسے اقوام متحدہ کے وجود کا ناسور کہنا چاہئے' یعنی مسئلہ کشمیر۔ بھارت کے نائب وزیراعظم ایل کے ایڈوانی نے کہا ہے کہ پاکستان نے یہ سب اقدامات محض اس لئے کئے ہیں کہ حالیہ دنوں میں ہماری سیکورٹی فورسز کو کامیابی ملی ہے اور عالمی برادری کو احساس ہو گیا ہے کہ دراصل دہشت گردی پاکستان کر رہا ہے۔ اسی لئے پاکستان نے "جنگ بندی" عالمی دباؤ پر کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ پاکستان نے یہ یک طرفہ اور غیر مشروط اقدامات اس لئے کئے ہیں کہ آئندہ ماہ پاکستان میں منعقد ہونے والی "سارک کانفرنس" ضرور ہو اور اس میں بھارتی وزیراعظم "اٹل بہاری واجپائی ضرور شرکت کریں۔ بھارتی وزیر خارجہ نے اب کافی لیت و لعل کے بعد اعلان کیا ہے کہ ہاں واجپائی صاحب شرکت کریں گے' لیکن وزیراعظم جمالی سے باضابطہ بات چیت خارج از امکان ہے۔ دونوں لیڈر موسم' کھانے اور دوسری چھوٹی موٹی چیزوں پر بات کر سکتے ہیں۔

یہ سب کو معلوم ہونا چاہئے کہ پاکستانی عوام ان قوتوں کو خوب پہچان گئے ہیں جو پس پردہ رہ کر ہمارے اربابِ اقتدار کو ترغیب' لالچ اور دباؤ کے معروف ہتھکنڈوں سے اندھے فیصلے کرا کر ہمیں اندھی گلی میں لے آئے ہیں۔ ہمیں غیروں سے تو سوائے ریشہ دوانیوں کے اور کوئی توقع نہیں' لیکن ہم اپنے صدر' وزیراعظم اور وزیر خارجہ کو متنبہ کئے دیتے ہیں کہ پاکستانی عوام کو اب مزید اندھیرے میں نہیں رکھا جا سکتا۔ ان کے عقب میں جو خفیہ کارروائیاں ہوتی رہی ہیں' وہ اب طشت ازبام ہو چکی ہیں۔ اہل پاکستان کا اجتماعی شعور ایسے یک طرفہ' غیر جمہوری' آمرانہ اور غیر دانشمندانہ فیصلوں کو 'جو ان کی طبعی سرشت کے خلاف ہوں' کاغذ کے معمولی پرزوں کی طرح فضا میں اڑا دینے پر قادر ہو چکا ہے۔

کھول آنکھ' زمیں دیکھ' فلک دیکھ' فضا دیکھ!
مشرق سے ابھرتے ہوئے سورج کو ذرا دیکھ!

افغانستان اور امریکی ٹاسک فورس

تین سابق امریکی سفیروں نکولاس پلاٹ، فرینک وائزنر اور ڈینس کک نے کہا ہے کہ طالبان پاکستان کی سرزمین سے جا کر افغانستان کے اندر حملے کر رہے ہیں۔ طالبان اکثر پختون ہیں۔ وہ پاکستان میں آتے جاتے رہتے ہیں۔ طالبان کے کئی اہم لیڈر پاکستانی شہروں میں موجود ہیں۔ (5 دسمبر)...... کینیڈا کے وزیر دفاع نے کہا ہے کہ ''نیٹو'' کے مستقبل کی کامیابی کا انحصار افغانستان میں امن برقرار رکھنے کے سلسلے میں اس کی کارکردگی پر ہے' کیونکہ افغانستان میں اگر زیادہ بہتر بین الاقوامی فوجی مدد حاصل نہ ہو تو پھر اس ملک میں دوبارہ افراتفری کا دور پلٹ سکتا ہے اور طالبان دوبارہ قابض ہو سکتے ہیں۔ یہ ایک ایسا خطرہ ہے جس کی دنیا متحمل نہیں ہو سکتی۔ (5 دسمبر)...... ''القاعدہ'' کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے والی اقوام متحدہ کی کمیٹی نے کہا ہے کہ القاعدہ کا نظریہ بدستور فروغ پا رہا ہے اور اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ رکن ممالک دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مدد کریں۔ (5 دسمبر)...... یورپی یونین نے دعویٰ کیا ہے کہ القاعدہ اور اس کی ذیلی تنظیموں نے یورپی ممالک میں نہ صرف اپنا مضبوط نیٹ ورک قائم کر لیا ہے' بلکہ وہ اتحادی افواج کے خلاف کارروائی کے لئے یورپ سے مسلمان نوجوانوں کو عراق بھی روانہ کر رہی ہے۔ (7 دسمبر)...... طالبان نے ماہ رواں میں ''لویہ جرگہ'' کے دوران حملے تیز کرنے کا اعلان کرتے ہوئے دھمکی دی ہے کہ لویہ جرگہ میں شرکت کرنے والے وفود موت کے حقدار ہوں گے۔ (7 دسمبر)

ایران کی ایٹمی تنصیبات اور اسرائیل

جوہری توانائی کی بین الاقوامی ایجنسی کے لئے ایرانی مندوب علی اکبر صالحی نے کہا کہ اگر اسرائیل نے ایران کی ایٹمی تنصیبات پر حملہ کیا تو بھرپور جواب دیا جائے گا' کیونکہ جغرافیائی طور پر اسرائیل سے دور ہونے کے باوجود ایران جوابی کارروائی کی طاقت رکھتا ہے۔ ادھر بین الاقوامی ایجنسی کے سربراہ محمد البرادعی نے کہا ہے کہ ایران چند ہفتوں سے این پی ٹی کے اضافی پروٹوکول پر دستخط کر دے گا' جس کے بعد ایجنسی کو ایران کی ایٹمی سرگرمیوں کے اچانک معائنے کا اختیار مل جائے گا۔ ایران کے ایٹمی پروگرام کے بارے میں مکمل رپورٹ فروری 2004ء میں پیش کی جائے گی۔

بوسنیا کے آٹھ ہزار مسلمانوں کا قاتل

اقوام متحدہ کی جنگی جرائم کی عدالت نے بوسنیا کی خونی جنگ کے دوران میں مظالم ڈھانے پر سربیا کے سابق جنرل نکوگیلک کو 20 سال قید کی سزا سنائی ہے۔ وہ پہلا سرب جنرل ہے جسے جنگی جرائم کے سلسلے میں سزا سنائی گئی ہے۔ 1992ء سے 1995ء کے دوران جنگ میں جنرل مذکور نے بوسنیا کے شہر سراجیو کا محاصرہ کیا تھا جو تین سال تک جاری رہا اور جس میں بارہ ہزار افراد شہید ہوئے تھے۔ انسانی حقوق کی تنظیموں کے مطابق یہ محاصرہ دوسری جنگ عظیم سے لے کر اب تک یورپ میں بدترین محاصرہ تھا۔ اس محاصرے کے باعث تقریباً پانچ لاکھ شہری اس شہر میں پھنس کر رہ گئے تھے جن کی خوراک' ادویات' پانی اور بجلی کی سپلائی بند کر دی گئی تھی۔

بابری مسجد کی شہادت کی گیارھویں برسی

بھارتی شہر ایودھیا میں 6 دسمبر 1992ء کو ہندو انتہا پسندوں کے ہاتھوں سولھویں صدی کی بابری مسجد کی شہادت کے گیارہ سال مکمل ہو گئے۔ گیارہ برس قبل اس تاریخی مسجد کی شہادت کے بعد ملک بھر میں مسلم کش فسادات پھوٹ پڑے تھے جن میں دو ہزار سے زیادہ مسلمان ہلاک ہوئے تھے۔ مسجد کی شہادت کے اس دن کے بعد سے ہی ہر برس ہندو 6 دسمبر کو یوم فتح اور مسلمان یوم سوگ کے طور پر مناتے ہیں۔ ہندوؤں کا کہنا ہے کہ یہ مقام دیوتا رام کی جائے پیدائش ہے' جبکہ دوسری جانب مسلمان مسجد کی بحالی کے لئے قانونی جنگ لڑ رہے ہیں۔ انتہا پسند ہندو تنظیم وشوا ہندو پریشد (وی ایچ پی) کے ترجمان شرد شرما کا کہنا ہے کہ وی ایچ پی اس موقع پر ایک بڑی کانفرنس منعقد کر رہی ہے۔ انسپکٹر جنرل پولیس کا کہنا ہے کہ مقامی ہندو پریشد سے مایوس ہو چکے ہیں۔ 6 دسمبر کو ''یوم سوگ'' کے موقع پر مسلمانوں کی جانب سے ہائیکورٹ لکھنؤ بنچ میں ایک رٹ دائر کی گئی ہے جس میں رائے بریلی عدالت کی جانب سے بابری مسجد کیس سے نائب وزیراعظم ایل کے ایڈوانی کی بریت کو چیلنج کیا گیا ہے۔

عراق: اقتدار کی منتقلی میں تاخیر

امریکہ کے صدر بش نے کہا ہے کہ مشن پورا کئے بغیر عراق سے نہیں نکلیں گے اور اقتدار کی منتقلی کے ٹائم فریم میں کوئی تبدیلی نہیں کی جائے گی' جبکہ روس کے صدر پوٹن نے امریکہ سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ عراق میں اقتدار منتخب حکومت کے حوالے کرنے کا عمل تیز کرے۔ فرانس کے صدر شیراک نے بھی تیونس کے دورے کے دوران میں اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ عراق میں اقتدار اعلیٰ عراقیوں کے حوالے کئے جانے کا کام جتنی زیادہ طوالت پکڑے گا' اتنا ہی اتحادی فوج کے خلاف تشدد اور ان پر حملوں میں اضافہ ہوتا جائے گا۔ عراق میں اتحادی فوجوں کے خلاف عراقیوں کی تحریک مزاحمت اور عالمی برادری کے نفسیاتی دباؤ کے تحت ہی صدر بش نے پچھلے ہفتے بغداد کا خفیہ دورہ کیا تھا اور ہفتہ رواں کے دوران میں وزیر دفاع رمزفیلڈ سخت حفاظتی انتظامات میں عراق کے دورے پر ہیں۔ مختلف علاقوں میں جا کر اتحادی فوج سے خطاب کر رہے ہیں اور عراقی کمانڈروں کو ضروری ہدایات دے رہے ہیں۔ دریں اثنا مشہور کمانڈر احمد شاہ مسعود کے بھائی اور روس میں افغانستان کے سفیر احمد ضیاء مسعود نے اعلان کیا ہے کہ ہم صدارتی الیکشن میں حامد کرزئی کی حمایت نہیں کریں گے' بلکہ ہمارے امیدوار پروفیسر برہان الدین ربانی ہوں گے۔

القدس پر اسرائیلی قبضہ نامنظور

4 دسمبر کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی نے اسرائیل کے خلاف دو قراردادیں منظور کی ہیں جن میں اسرائیل کے القدس پر قبضے کے دعوے کو مسترد اور گولان کا پہاڑی علاقہ شام کو واپس کرنے کے لئے کہا گیا ہے۔ القدس سے متعلق قرارداد پر ہونے والی رائے شماری میں 155 ارکان نے قرارداد کی حمایت اور صرف آٹھ نے اس کی مخالفت کی۔ قرارداد میں القدس پر اسرائیل کی جانب سے نافذ کئے جانے والے قوانین' حدود اور انتظامی امور سنبھالنے کو غیر قانونی قرار دیا گیا ہے اور کہا گیا ہے کہ اسرائیلی اقدامات کی کوئی حیثیت نہیں۔ قرارداد میں ان ممالک پر بھی تنقید کی گئی' جنہوں نے القدس میں سفارت خانے قائم کئے ہیں۔ گولان کی پہاڑیاں شام کو واپس کرنے سے متعلق قرارداد کے حق میں 104 اور مخالفت میں پانچ ووٹ ڈالے گئے۔

کشمیر: انڈورا جیسی خودمختار ریاست

کل جماعتی حریت کانفرنس (انصاری گروپ) نے مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے اپنے روڈ میپ میں تجویز کیا ہے کہ فرانس اور سپین کے درمیان واقع انڈورا کی طرح کشمیر کو ماڈل اسٹیٹ بنایا جا سکتا ہے۔ (تنظیم اسلامی کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد صاحب نے کچھ عرصہ قبل اس سے ملتی جلتی تجویز پیش کی تھی جو آئندہ شمارے میں حریت کانفرنس کی پوری خبر کے ساتھ پیش کی جائے گی۔)

''ندائے خلافت'' کے بارے میں
اپنی رائے لکھنا نہ بھولئے

منبر و محراب

قرآن کن لوگوں کے لئے شفاء ورحمت ہے؟

مسجد دارالسلام باغ جناح' لاہور میں امیر تنظیم اسلامی محترم حافظ عاکف سعید صاحب کے 5 دسمبر 2003ء کے خطاب جمعہ کی تلخیص

۞ حضرات محترم! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ' آپ کو یاد ہوگا کہ رمضان المبارک سے قبل ان اجتماعات جمعہ میں ہم نے سورۂ بنی اسرائیل کا سلسلہ وار مطالعہ شروع کر رکھا تھا جس میں آٹھواں رکوع ابھی مکمل نہیں ہوسکا تھا۔ آج ہمیں اسی مطالعہ قرآن کو آگے بڑھانا ہے۔

ابھی ماہ رمضان المبارک گزرا ہے جس میں توقع ہے کہ ہم میں سے ہر ایک نے قرآن مجید کی تلاوت کی ہوگی اور نماز تراویح میں بھی اللہ تعالیٰ کی تائید وتوفیق سے کم وبیش پورے قرآن کو سنا ہوگا۔ یہ قرآن نوع انسانی کے لئے اللہ کا سب سے بڑا تحفہ اور عظیم ترین نعمت ہے۔ یہ نوع انسانی کے نام اللہ کا ابدی پیغام اور کامل ہدایت نامہ ہے۔ گذشتہ خطاب جمعہ میں میں نے انسان کے نام قرآن مجید کے ابدی پیغام کو واضح کرنے کی کوشش کی تھی اور آج سورہ بنی اسرائیل کے آٹھویں رکوع کا مطالعہ کریں گے۔

یہ بات بھی سمجھ لیجئے کہ خطبہ جمعہ دراصل قرآن کی تعلیم وتدریس کا ایک نہایت جامع پروگرام ہے کے لئے وقف ہے۔ ہفتہ میں یہ ایک دن ایسا ہے کہ مسلمانوں کے لئے لازم ہے کہ وہ وقت فارغ کر کے آئیں اور صاف ستھرے پاکیزہ ماحول میں خطبہ جمعہ کی سماعت کریں۔ خطبہ جمعہ کی اہمیت کا اندازہ آپ اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اس وقت کو کاروبار دنیوی کے لئے حرام قرار دیا ہے۔ اگر اس حرمت کی علت کو آپ تلاش کریں گے تو یہ بات واضح ہوگی کہ اصل وجہ اور علت یہ ہے کہ کوئی شخص بھی خطبہ جمعہ سننے سے محروم نہ رہے۔ احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ خطبہ جمعہ میں آیات قرآنیہ کی تلاوت فرماتے تھے اور ان کے ذریعے سے لوگوں کو وعظ ونصیحت فرماتے۔ تعلیم قرآن کے اس ہفتہ وار پروگرام کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی لگا سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿ذلکم خیر لکم ان کنتم تعلمون﴾ اس خطبہ جمعہ کا سننا تمہارے حق میں بہتر ہے اگر تم سمجھو۔ خواہ اس وقت گاہکوں کا رش ہو اور مادی نفع بھی حاصل ہو رہا ہو۔

انہی باتوں کے پیش نظر خطاب جمعہ میں مطالعہ قرآن کے حوالے سے ہم نے قرآن مجید کی ان دو سورتوں کا انتخاب کیا ہے جو کہ دین کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے بہت اونچا مقام رکھتی ہیں۔ یعنی سورۂ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف۔ یہ دونوں سورتیں قرآن حکیم کے بالکل وسط میں ہیں اور جڑواں سورتیں ہیں۔ قرآن کی اکثر سورتیں جڑواں ہیں یا یوں کہہ لیجئے کہ ایک **Pair** کی صورت میں ہیں۔ جیسے قرآن حکیم کے بالکل آغاز میں سورۃ البقرہ اور سورۃ آل عمران جوڑا ہے۔ اور آنحضرت ﷺ نے تو ان دونوں کا ایک نام بھی تجویز کیا ہے اور وہ ہے "الزھراوین" یعنی دو نہایت تابناک سورتیں۔ دونوں سورتوں کا آغاز حروف مقطعات الٓمٓ سے ہوتا ہے۔ ان دونوں سورتوں کے اختتام میں بڑی جامع دعائیں آئی ہیں۔ دونوں سورتوں میں سابقہ امت مسلمہ یعنی اہل کتاب کا ذکر ہے۔ سورۂ بقرہ میں زیادہ ذکر یہود کا ہے اور سورۂ آل عمران میں نصاریٰ کا تفصیلی ذکر ہے۔ یعنی ظاہری ومعنوی ہر پہلو سے ان میں گہری مشابہت موجود ہے۔ بالکل اسی طرح قرآن کے بالکل آخر میں سورۃ الفلق اور سورۃ الناس دو جڑواں سورتیں ہیں ان دونوں کا موضوع تعوذ ہے اور حضور ﷺ نے اس حوالہ سے ان کو مشترکہ طور پر معوذتین کا نام دیا ہے۔

سورۃ بنی اسرائیل اور سورۂ کہف۔ یہ دونوں سورتیں قرآن حکیم کے فلسفہ وحکمت کے اعتبار سے چوٹی پر ہیں اور ان میں ظاہری مشابہت بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک کا آغاز سبحن الذی یعنی کلمہ تسبیح سے ہوا' دوسری کا آغاز الحمدللہ سے یعنی کلمہ تحمید سے۔ دوسرے یہ کہ دونوں کے آخر میں دو دو آیات ایسی ہیں جن کا موضوع توحید ہے اور جن میں شرکت کی پُرزور انداز میں نفی کی گئی ہے اور ان دونوں آیات کا آغاز کلمہ "قل" سے ہوتا ہے۔ دونوں کے بالکل وسط میں قصہ آدم وابلیس کا ذکر ملتا ہے۔ اور بھی بے شمار ظاہری ومعنوی مشابہتیں دونوں کے مابین موجود ہیں۔ یہ دونوں سورتیں ہجرت مدینہ سے متصلاً قبل نازل ہوئی ہیں۔ صورتِ حال یہ ہے کہ مسلمان اب کفار کے مظالم سے تنگ آ کر ہجرت پر مجبور ہو گئے ہیں اور ان میں سے اکثر ہجرت کر چکے ہیں۔ ایسی ناموافق صورت حال میں مسلمانوں کے لئے لائحہ عمل یہ ہے کہ وہ اللہ سے اپنے تعلق کو مضبوط کریں' قرآن حکیم زیادہ سے زیادہ پڑھیں اور نماز کا خاص طور پر اہتمام کریں' اور وہ نماز **اقم الصلوۃ لذکری** کے معیار پر ہو' جس کا حاصل اللہ کی یاد ہو اور یہ احساس ہو کہ میں اللہ کے سامنے کھڑا ہوں اور اللہ سے مکالمہ کر رہا ہوں اور سجدہ ایسا ہو کہ معلوم ہو کہ میں نے اپنا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں میں رکھ دیا ہے۔ نماز بندہ مومن کی معراج ہے۔ حضور ﷺ کو معراج میں اللہ تعالیٰ کی آیات کا مشاہدہ ہوا اور ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا۔ اسی طرح بندۂ مومن کو نماز میں اللہ تعالیٰ سے ہمکلامی کا شرف حاصل ہوتا ہے اگر اسے سمجھ کر پڑھا جائے۔

﴿اقم الصلوۃ لدلوک الشمس الی غسق الیل وقرآن الفجر﴾

> اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہود ونصاریٰ ہیں۔ ان کو جو اسلام گوارا ہے وہ صرف مذہبی تصور کی حد تک ہے جس میں نظام کی بات نہ ہو' معاملات کی بات نہ ہو۔ بس یہی کہ نماز پڑھ لیا کرو' حج کرو۔

"(اے نبیؐ) نماز قائم رکھئے سورج کے ڈھلنے سے لے کر رات کی تاریکی تک اور فجر کا قرآن پڑھنا۔" اور اسی آیت شریفہ میں اشارتاً ذکر ہے پنج وقتہ نماز کا' اس طرح کہ سورج ڈھلنے کے فوراً بعد ظہر ہے' پھر ایک پہر کے بعد عصر' غروب کے بعد نماز مغرب ہے اور شفق کی سرخی ختم ہو جائے تو عشاء کی نماز ہے اور قرآن الفجر سے مراد فجر کی نماز ہے۔

نوٹ کیجئے کہ اوقات نماز کے حوالے سے قرآن مجید میں صرف اشارے موجود ہیں اور ان اشاروں کی وضاحت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت سے اور آپؐ کے اسوہ سے ملتی ہے۔ نماز پنج وقتہ کا یہ نظام محض چند فروعی اختلافات کے سوا پورے کا پورا ایک جیسا ہے اور یہ اصل میں ثبوت ہے اس بات کا کہ دین قرآن اور سنت کے مجموعہ کا نام ہے۔ قرآن مجید جا بجا حکم دیتا ہے کہ نماز قائم کرو۔ کیسے قائم کریں؟ اس کے لئے سنتِ رسولؐ کی طرف رجوع کرنا ہو گا کہ وہ نظام کیسا ہے' اقامت صلوٰۃ سے کیا مراد ہے اور اس کو قائم رکھنے کے شرائط و آداب کیا ہیں۔

﴿ومن الیل فتھجد بہ نافلۃ لک﴾

"اور رات کے کچھ حصے میں بھی اس قرآن کے ساتھ جاگا کیجئے اے نبیؐ اور یہ خاص آپ کے لئے ہے۔ (اور اضافی طور پر دوسروں کے لئے نفل ہے۔" عسیٰ ان یبعثک ربک مقاما محمودا ہے بعید نہیں کہ آپ کا رب آپ کو مقامِ محمود پر فائز کر دے۔" یہ خصوصی معاملہ ہو گا حضور ﷺ کے ساتھ اور میدانِ حشر میں اس کا ظہور ہو گا۔

آگے فرمایا:

﴿وقل رب ادخلنی مدخل صدق واخرجنی مخرج صدق واجعل لی من لدنک سلطنا نصیرا﴾

اور دعا کرتے رہئے کہ پروردگار! مجھے داخل فرما صدق اور سچائی کے ساتھ داخل کرنا اور تو مجھے نکال سچائی اور صدق کے ساتھ نکالنا۔" ان الفاظ میں واضح طور پر اشارہ موجود ہے ہجرت کی طرف۔ گویا اس میں بشارت ہے کہ معاملہ ایسا ہی ہو گا۔ ﴿واجعلنی من لدنک سلطنا نصیرا﴾ "اور دعا کرتے رہئے کہ پروردگار! خاص اپنے پاس سے میرے لئے مدد اور اختیار مجھے عطا فرما دیجئے۔"

﴿وقل جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا﴾

"اور اعلان کر دیجئے کہ حق آ گیا اور باطل نابود ہو گیا۔"

عجب بات یہ ہے کہ جب یہ آیات نازل ہو رہی ہیں اُس وقت کیفیت اس کے برعکس نظر آتی ہے۔ مسلمانوں کے لئے مکہ میں رہنا ناممکن ہو گیا ہے' باطل اس طریقے سے غالب آ گیا ہے کہ مسلمان بے بس و لاچار ہیں' اپنا سب کچھ چھوڑ کر جا رہے ہیں۔ ایسے حالات میں یہ اعلان ایک پیشین گوئی تھا کہ حق غالب ہو کر رہے گا اور باطل کو مغلوب ہونا پڑے گا۔ چنانچہ یہی ہوا اور صرف آٹھ برس کے بعد آپؐ اس شہر میں اس شان و شوکت سے داخل ہوئے کہ آپ کے جلو میں دس ہزار قدسیوں کا لشکر تھا اور کوئی اس لشکر کے سامنے مزاحمت نہ کر سکا۔ آپ نے کعبہ میں موجود 360 بتوں کو اپنے ہاتھ سے پاش پاش کیا۔ اس وقت آپ ﷺ کی زبان مبارک پر یہ الفاظ تھے: ﴿جاء الحق وزھق الباطل ان الباطل کان زھوقا﴾ اب آگے وہ آیات ہیں جن کا ہمیں آج مطالعہ کرنا ہے۔

﴿وننزل من القرآن ما ھو شفاء ورحمۃ للمؤمنین﴾ "اور ہم نے نازل فرمایا ہے اس قرآن مجید کی صورت میں وہ شے کہ جو شفا ہے اور رحمت ہے اہل ایمان کے لئے" اصل میں یہ قرآن مجید کی عظمت کا ایک پہلو ہے جو یہاں پر اجاگر ہوتا ہے۔ قرآن کے بارے میں اب ہمارا ایک عمومی تصور یہ ہو گیا ہے کہ یہ حصول ثواب کا آلہ ہے کہ اس کے ہر حرف کے عوض دس نیکیاں مل جاتی ہیں' گویا قرآن نیکیوں کے ڈھیر لگانے کی ایک چیز ہے' بلکہ اس سے آگے اب ہم یہ سمجھتے ہیں کہ وہ ڈھیر لگانے کی اب خاص ضرورت نہیں ہے' ہاں جس شخص کا انتقال ہو گیا ہو اس کے ایصال ثواب کے لئے ایک پارہ پڑھنا آج ہمارے معاشرہ میں قرآن کا مصرف ہے۔ اقبال مرحوم نے اسی بات پر مرثیہ خوانی کی تھی۔

بآیاتش ترا کارے جز ایں نیست
کہ از یٰسین او آساں بمیری!

یعنی اے مسلمان! تجھے تو اس قرآن کی آیات سے کوئی سروکار ہی نہیں رہ گیا ہے سوائے اس کے کہ مرتے شخص کو یٰسین پڑھ کر سنا دے تا کہ اس کی جان آسانی سے نکل جائے۔ آج تو خیر اس کا بھی رواج نہیں ہے۔ ایصال ثواب کے لئے جس طرح قرآن پڑھا اور پڑھایا جاتا ہے یہ قرآن کی توہین کے مترادف ہے۔ کیا قرآن اس کے لئے نازل ہوا تھا۔

اس سارے طرزِ عمل کے باوجود ہم اپنے آپ کو سچا اور پکا مسلمان سمجھتے ہیں۔ ہمارے صدر مملکت نے کل علماء و مشائخ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا جو ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا موقف نہیں بلکہ امت کے ایک بڑے حصہ کا ہے اس لئے کہ ان حضرات نے دین کو مذہب سمجھ لیا ہے۔ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مذہب چند عبادات اور عقائد کا مجموعہ ہوتا ہے۔ چنانچہ ایک ملک میں پچاس مذاہب بھی رہ سکتے ہیں۔ امریکہ کو دیکھیں کہ وہاں بیسیوں مذاہب ہیں' جو چاہے عقیدہ رکھیں' جس طرح چاہیں عبادات کریں' جبکہ دین اس کے اوپر ہے' یعنی پورا نظام اللہ تعالیٰ کے احکام کے تابع ہو جائے۔ فیملی لاز قرآن و سنت کے مطابق ہوں' حاکمیت اعلیٰ پارلیمنٹ کی نہیں بلکہ اللہ کی ہو۔ میں جو یہ باتیں کہہ رہا ہوں آج سے سو سال قبل علامہ اقبال مرحوم نے انہیں واضح کر دیا تھا۔ اقبال نے قرآن کے پیغام کو اپنے اشعار کے ذریعے عام کیا ہے۔ ہم صرف ان کا نام لیتے ہیں اور ان کے اس پیغام پر عمل نہیں کرتے۔

قرآن حکیم تو انسان کے باطنی امراض کا علاج ہے۔ انسان کے لئے دین میں آگے بڑھنے میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے دنیا کی محبت' روپے پیسے کی محبت' اولاد اور بیویوں کی محبت' تکبر اور دوسروں پر بالاتر ہونے کی خواہش۔ اسی طرح سے حسد' بغض' کینہ اور لالچ جیسی برائیاں اگر انسان میں باقی رہ جائیں تو اسلام لانے کے باوجود وہ صراطِ مستقیم پر آگے نہیں بڑھ سکتا۔ یہ پاؤں کی بیڑیاں ہیں اور بریکس ہیں جو انسان کو آگے نہیں بڑھنے دیتیں۔ قرآن حکیم ھُدًی لِلنَّاس ہے۔ اس پر عمل کرو گے تو افراط و تفریط کے دھکوں سے بچو گے۔ سورۂ یونس میں مزید وضاحت فرما دی گئی کہ یہ شفاء لما فی الصدور ہے' یعنی قرآن شفاء ہے ان امراض کا جو سینے میں ہیں' یعنی باطنی اور روحانی امراض۔ اور یہ قرآن علاج اس وقت بنے گا جب کہ اس کو سمجھ کر پڑھیں گے' اس کی آیات میں غور و فکر کریں گے۔ اللہ کا یہ کلام اس لئے نازل نہیں ہوا اس کو بے سوچے سمجھے پڑھ لو۔ یہ تو ہدایت ہے۔

"ورحمۃ للمومنین" اور یہ رحمت ہے مومنین کے لئے" یہ رحمت اس وقت بنے گا جب ہم اس کے حقوق ادا کریں گے' اس کا حق تلاوت ادا کریں گے اور اس کو سمجھ کر پڑھیں گے اور پڑھیں گے۔ اس لئے کہ اس پر عمل کریں گے۔ عمل صرف انفرادی ہی نہیں بلکہ اجتماعی بھی ہو گا۔ قائد اعظم سے پوچھا گیا کہ ہمارا آئین کیا ہو گا تو فرمایا کہ

صدر مملکت نے علماء و مشائخ کے سامنے اپنے مسلمان ہونے کا جو ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا موقف نہیں بلکہ امت کے ایک بڑے حصہ کا ہے' اس لئے کہ ان حضرات نے دین کو مذہب سمجھ لیا ہے۔ اسلام صرف مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔

ہمارا آئین تو چودہ سو سال پہلے نازل ہو گیا تھا۔ لیکن اس کے مطابق عمل کہاں ہو رہا ہے؟ ایک فرد واحد تمام اختیارات کا مالک بنا بیٹھا ہے اور وہ اس ملک میں اباحیت اور بے حیائی کو فروغ دے رہا ہے۔ اور یہ صرف ایک شخص واحد کی بات نہیں بلکہ ان سے پہلے بھی جو تھے وہ بھی ایسے ہی تھے۔ نواز شریف صاحب آئے تھے بڑے ہی بھاری مینڈیٹ کے ساتھ تو انہوں نے بھی محض بادشاہوں کی طرح حکمرانی کی اسی کلچر کو فروغ دیا اور اسی سودی معیشت کو مستحکم کیا۔ ان کو بار بار ڈاکٹر صاحب نے بتایا تھا کہ یہ اللہ اور رسول کے ساتھ جنگ ہے۔

قرآن کا ایک حق یہ بھی ہے کہ اس کو نافذ کریں اس کے پیغام کو دوسروں تک پہنچائیں اور تبلیغ کا حق ادا کریں۔

آج ہم مسلمانوں کو پوری دنیا میں جو مار پڑ رہی ہے اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ہم نے قرآن کے ساتھ غداری کی ہے۔ اس کے باوجود ہم اپنے آپ کو اپنے خیال میں مسلمان سمجھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں صحیح سمجھ عطا فرمائیں۔ اگر ہم نے ان حقوق کو ادا کیا تو پھر اللہ کی رحمت کے حصول کا اس سے بڑا ذریعہ اور کوئی نہیں سب سے بڑا شافع یہ قرآن ہے اور یہ بشارت خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں دی ہے: **القرآن حجة لک او علیک** ”یہ قرآن تمہارے حق میں دلیل بنے گا یا تمہارے خلاف دلیل بنے گا۔“

سورۂ جمعہ میں فرمایا: ﴿**مثل الذین حملوا التورة ثم لم یحملوھا کمثل الحمار یحمل اسفارا**﴾ ”مثال ان لوگوں کی جن کو اللہ نے تورات عطا کی تھی پھر انہوں نے اس کتاب کی ذمہ داریوں کو ادا نہیں کیا۔ اس گدھے کی سی ہے جس نے کتابوں کو بوجھ اٹھا رکھا ہو۔ یہی مثال ہم پر صادق آ چکی ہے۔ ہم نے وہی رویہ قرآن حکیم کے ساتھ روا رکھا ہے جو یہود نے تورات کے ساتھ کیا تھا۔

ہم نے سودی معیشت کو جاری رکھا ہوا ہے۔ اسی طرح اللہ کی حکمرانی کسی بھی سطح پر نہیں ہے اور عالمی سطح پر جو قوتیں اسلام کی جڑیں کاٹنے پر تیار بیٹھی ہیں۔ ہم ان کے اتحادی بنے بیٹھیں ہیں پھر اس پر طرفہ تماشا یہ کہ اسلام کے خدمت گار بھی بنے بیٹھے ہیں اور یہ ماڈریٹ اسلام وہی ہے جو ان کو پسند ہے حالانکہ خود قران نے واضح کر دیا ہے کہ اسلام کے سب سے بڑے دشمن یہود و نصاریٰ ہیں۔ ان کو جو اسلام گوارا ہے وہ صرف مذہبی تصور کی حد تک ہے جس میں نظام کی بات نہ ہو معاملات کی بات نہ ہو۔ بس یہی کہ نماز پڑھ لیا کرو حج کر لیا کرو محمد ﷺ کے متعلق جو عقیدہ رکھنا چاہو رکھو لیکن نظام ہمارا ماننا پڑے گا‘ سود تمہارے دین کے اعتبار سے حرام ہو گا لیکن ہم سمجھتے ہیں کہ معیشت کے لئے ضروری ہے لہٰذا تمہیں گوارا کرنا پڑے گا۔

صدر صاحب نے اپنا جو اسلام پیش کیا ہے وہ اصل اسلام نہیں ہے صرف مذہب ہے جبکہ اللہ کے نزدیک دین تو صرف اسلام ہے اور اسلام تمام انفرادی و اجتماعی اور سماجی و معاشرتی معاملات میں اپنا ایک نظام رکھتا ہے اور اس کی بالادستی چاہتا ہے۔ اس کی بالادستی کی جدوجہد کرنا مسلمانوں کے ذمہ لازم ہے۔ اگر ان چیزوں کو بھلا کر اپنی نماز روزہ میں لگے رہو تو امریکہ کو بھی کوئی اندیشہ نہیں اور ابلیس کو بھی کوئی پروا نہیں۔

اقبال نے قرآن کی تعلیمات کو جس انداز سے سمجھا ہے بدقسمتی سے علماء کی ایک بہت بڑی تعداد نے بھی اسلام کے اصل تقاضوں کو نہیں سمجھا۔ مدارس میں قرآن کا بہت ہی کم حصہ پڑھایا جاتا ہے۔ ہمارے مدارس میں اصل تعلیم فقہ کی ہو رہی ہے۔ یہ نصاب بنا ہی اس لئے تھا کہ قاضی اور مفتی پیدا ہوں‘ انہیں فقہی مسائل کا پتہ ہونا چاہئے۔ اس اعتبار سے وہ نصاب ٹھیک تھا‘ لیکن اسلام کا اصل محور تو یہ قرآن ہے۔ قرآن ہمارے لئے فکری و عملی رہنمائی کا ذریعہ ہے۔ یہ فلسفہ و حکمت کا منبع بھی ہے اور ایمان کا سرچشمہ بھی ہے۔ اگر ہم قرآن کا نظام قائم کرنے کی ذمہ داری ادا نہیں کرتے تو ہم پر قرآن کا وہی فتویٰ صادق آئے گا۔ جو سورۂ جمعہ میں بنی اسرائیل پر چسپاں کیا گیا ہے۔

اقبال نے مذہب کے محدود تصور کے مقابلے میں دین کے جامع تصور کو واضح کیا ہے۔ اپنی مشہور نظم ”ابلیس کی مجلس شوریٰ“ میں انہوں نے ابلیس کا اپنے چیلوں کے نام یہ پیغام نقل کیا ہے۔

ہے اگر کوئی خطر مجھ کو تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرار آرزو!
خال خال اس قوم میں اب تک نظر آتے ہیں وہ
کرتے ہیں اشک سحر گاہی سے جو ظالم وضو
الحذر آئین پیغمبر سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن‘ مرد آزما مرد آفریں
موت کا پیغام ہر نوع غلامی کے لئے
نے کوئی فغفور و خاقاں‘ نے گدائے رہ نشیں!

ابلیس کہتا ہے کہ اسلام کے معاشرتی و معاشی نظام سے مجھے خطرہ ہے۔ لہٰذا اس نے اپنے چیلوں کو یہ پالیسی دی ہے کہ اب تمہارا طرز عمل کیا ہونا چاہئے۔

مست رکھو ذکر و فکر صبح گاہی میں اسے
پختہ تر کر دو مزاج خانقاہی میں اسے!

اقبال نے ہمیں سو سال پہلے ان چیزوں کی طرف متوجہ کیا تھا۔ یہ ان کا بہت بڑا Contribution ہے اور یہ ہم پر اللہ کا احسانِ عظیم ہے۔ اس کے باوجود اگر ہم قرآن کی تعلیمات اور قرآن نے جو نظام دیا ہے اس سے دور رہیں تو یہ ہماری بدنصیبی اور محرومی کی انتہا ہے کہ اب تک وہی جامد فکر لئے بیٹھے ہیں۔

اس قرآن میں روحانی اور باطنی امراض کی مکمل شفا ہے تاکہ بندۂ مومن صحت مندانہ انداز سے دین پر عمل کر سکے۔ انفرادی زندگی میں بھی اس دین پر عمل کرے اور اجتماعی زندگی میں بھی اس کو لاگو کرنے کے لئے اس کے اندر جذبہ ہو دین کے لئے قربانی دے سکے۔ قرآن مجید کی آیات میں تاثیر ہے انہیں سمجھ کر پڑھو اس کی آیات پر غور و فکر کرو تو یہ تمام برکتیں کھلتی چلی جائیں۔ اور پھر اس قرآن کے حقوق ادا کرو اور اس کو اپنا امام اور رہنما بناؤ اور اس کی دی ہوئی ہدایات کو ہر سطح پر تم نافذ کرو تو یہ رحمت ہے۔

آیت کے آخر میں فرمایا: ﴿**ولا یزید الظالمین الا خسارا**﴾ ”لیکن یہ چیز ظالموں کے لئے خسارے کا موجب ہی بنتی ہے۔“ جن لوگوں نے تہیہ کیا ہوا ہے کہ ہم نے قرآن کی ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھانا‘ آنکھیں نہیں کھولنی‘ اسی نفس پرستی کی ڈگر پر چلتے رہنا ہے تو وہ قرآن کی ہدایت سے محروم ہی رہتے ہیں۔ قرآن کی آیات کو پڑھ کر بھی اللہ ان کی ضلالت اور کج روی میں اضافہ ہی کرتا ہے۔ وہ اس میں بھی ٹیڑھ نکالنے کے درپے ہوتے ہیں۔ وہ مشرکین مکہ تھے‘ سرداران قریش کا معاملہ تھا۔ ابولہب اور ابوجہل کے خسارے میں اضافہ ہی ہوتا چلا گیا۔ جتنا قرآن نازل ہوا ہے اس سے انہوں نے کچھ کسب فیض نہیں کیا بلکہ اپنی کجی اور ضلالت میں اضافہ کیا۔ اگلی آیت بہت اہم ہے اس پر ہم اگلے ہفتے بات کریں گے۔ سورۂ بنی اسرائیل کا یہ مقام فلسفہ و حکمت کے اعتبار سے بہت اہم اور جامع حصہ ہے۔

دعائے مغفرت

سینئر رفیق تنظیم محمد شفاء اللہ (واہ کینٹ) کے والد ملک عبدالخالق نسیم چیئرمین زکوٰۃ کمیٹی ضلع اٹک 21 رمضان المبارک کو انتقال فرما گئے۔ مرحوم کے لئے دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔

پتہ: مکان نمبر CB-49 گلشن کالونی واہ کینٹ ڈاکخانہ لالہ زار

فون: 0596-541560

جناب شاہد عبداللہ صاحب‘ اقبال ٹاؤن لاہور کی والدہ صاحبہ انتقال فرما گئی ہیں۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی مغفرت اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔

تصحیح

”ندائے خلافت“ کے شمارہ نمبر 42 (19 نومبر 2003ء) میں بھارت کی ایک نومسلمہ کا اعتراف حق شائع ہوا ہے۔ یہ مضمون ملک احمد سرور صاحب مدیر ماہنامہ ”بیدار ڈائجسٹ“ نے ترجمہ کیا تھا۔ جن کا نام شامل اشاعت ہونے سے رہ گیا تھا۔

صدر مشرف، متحدہ مجلس عمل اور ایل ایف او

ایوب بیگ مرزا

✪ پاکستان کے ہر فوجی حکمران پر یہ دباؤ رہا ہے کہ جمہوریت کو بحال کرے۔ اگرچہ یہ دباؤ اندرونی اور بیرونی دونوں سطحوں پر رہا، لیکن اندرونی دباؤ کو ان فوجی حکمرانوں نے کوئی خاص اہمیت نہ دی۔ البتہ بیرونی دباؤ کا وہ پوری طرح سامنا نہ کر سکے اور اپنی ذات کو اقتدار کا مرکز بناتے ہوئے ان میں سے ہر ایک نے ملک میں جھوٹا سچا نئے طرز کا جمہوری ڈھانچہ کھڑا کرنے کی کوشش کی۔ زیادہ سے زیادہ عرصہ تک بلاشرکت غیرے اقتدار پر قبضہ جمائے رکھنے کے لئے انہوں نے جمہوریت کا آغاز grass-root level سے کرنے کا نعرہ لگایا۔ انہوں نے قوم کو بتایا کہ جمہوریت کی بنیادیں مضبوط کرنے کے لئے گلی محلوں کی سطح پر پہلے انتخاب ہونے چاہئیں یعنی پہلے مقامی سطح پر انتخابات پھر صوبائی سطح پر اور آخر میں مرکزی سطح پر انتخابات ہوں لیکن ان انتخابات کے باوجود اقتدار کو اپنی ذات میں کسی نہ کسی طرح مرتکز کرنے کے لئے وہ یا عجیب الخلقت آئین بناتے رہے یا پہلے سے موجود آئین میں ایسی بنیادی ترامیم کرتے رہے جن سے آئین کا حلیہ مکمل طور پر تبدیل ہو جاتا تھا۔

ایوب خان نے بالواسطہ جمہوریت کی اصطلاح ایجاد کی اور کونسلروں کو اپنا الیکٹورل کالج بنا لیا اور ان کے ذریعے صدارتی نظام قائم کر کے خود صدر بن بیٹھا۔ یحییٰ خاں کا ایل ایف او دراصل دونوں بڑی جماعتوں کو بلیک میل کر کے اپنے لئے صدارتی کرسی حاصل کرنا تھا۔

ضیاء الحق نے غیر جماعتی انتخابات کی داغ بیل ڈالی دنیا بھر میں سیاسی جماعتیں انتخابات میں حصہ لیتی ہیں اور حاصل کردہ نشستوں کی بنیاد پر انہیں حکومت بنانے کا موقع دیا جاتا ہے یا وہ اپوزیشن کا رول ادا کرتی ہیں۔ ضیاء الحق نے ایسے انتخابات کرائے جن میں قبل از انتخابات جماعتیں حرام قرار دے دی گئیں پھر پارلیمنٹ کے اندر جماعتوں نے جنم لیا اور اسمبلی کے اندر پیدا ہونے والی جماعتوں سے سودا بازی کر کے خود صدر بن گئے۔

جنرل مشرف کا معاملہ بھی مختلف نہیں جب جمہوریت کی بحالی کے لئے بیرونی دباؤ ناقابل برداشت ہو گیا تو انہوں نے مقامی ضلعی حکومتوں کا تصور دیا لیکن جب انہوں نے دیکھا کہ قومی انتخابات سے گریز نہیں کیا جا سکتا تو اپنے پیشروؤں کی طرح مسلم لیگ کو نشانہ مشق بنایا اور ایک پرو حکومت مسلم لیگ کے قیام کا ہدف نیب کو دیا جس نے چند مہینوں میں مسلم لیگ قائداعظم گروپ کا تحفہ حکومت کی خدمت میں پیش کر دیا۔ کرپٹ سے کرپٹ سیاستدان بھی اگر مسلم لیگ (ق) میں شمولیت کا اعلان کر دیتا تو اس کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے۔ ایسے سیاستدانوں کو خاص طور پر ٹارگٹ بنایا گیا جو مضبوط حلقہ انتخاب رکھتے ہیں۔ پھر بھی تسلی نہ ہوئی تو ایک عدد ریفرنڈم کروا ڈالا جو ضیاء الحق کے ریفرنڈم سے بھی زیادہ مضحکہ خیز تھا۔ وہ کئی کروڑ ووٹ لے کر کامیاب ہوئے جبکہ پولنگ بوتھ سارا دن سنسان رہے۔ ایک عجیب بات یہ ہے کہ دنیا بھر میں کہیں ریفرنڈم کسی شخص کے انتخاب کی بنیاد نہیں بنتا بلکہ ریفرنڈم تو issues پر کرائے جاتے ہیں کہ عوام کسی خاص ایشو پر کیا رائے بلکہ فیصلہ دیتی ہے۔ صرف پاکستان ایک ایسا ملک ہے جہاں ریفرنڈم کے ذریعے فوجی حکمران خود کو منتخب صدر قرار دے لیتا ہے۔

> **ایم ایم اے نے چودہ ماہ میں صرف دو ہی کام کئے ہیں'**
> **یا اسمبلی میں ڈیسک پیٹے ہیں یا لچک دکھائی ہے**

ضیاء الحق نے اسمبلیوں کے انتخابات سے پہلے ہی سپریم کورٹ کے عطا کردہ اختیار کے تحت آئین میں ایسی ترامیم کر ڈالیں پھر انہیں نئی اسمبلی سے سودے بازی میں استعمال کیا۔ صدر مشرف نے بھی سپریم کورٹ کی اجازت سے ایک ایل ایف او یعنی "لیگل فریم ورک آرڈر" تیار کیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ سپریم کورٹ فوجی حکمرانوں کو آئین میں ترامیم کرنے کا اختیار دے دیتا ہے حالانکہ یہ اختیار خود سپریم کورٹ کے پاس نہیں وہ خود بھی آئین کی تشریح اور تاویل تو کر سکتا ہے اس میں ترمیم نہیں کر سکتا۔ موجودہ اسمبلی میں اس L.F.O کی تین بڑی جماعتیں مخالف تھیں اور L.F.O کو آئین کا حصہ بنانے کے لئے حکومت کو ان میں سے کسی ایک جماعت کی حمایت درکار تھی۔ ان میں سے ایک پاکستان پیپلز پارٹی ہے۔ دوسری ایم ایم اے اور تیسری مسلم لیگ (ن) ہے۔ مسلم لیگ (ن) سے مشرف کو وہی تعلق اور نسبت ہے جو جنرل ضیاء الحق کو پاکستان پیپلز پارٹی سے تھی۔ جنرل پرویز مشرف جانتے ہیں کہ نواز شریف انہیں کبھی معاف نہیں کرے گا لہٰذا مسلم لیگ (ن) سے کسی معاہدے کا کوئی سوال نہیں۔

پاکستان پیپلز پارٹی درحقیقت پرویز مشرف کی قدرتی حلیف جماعت ہے دونوں سیکولرازم کی طرف رجحان رکھتے ہیں اور مذہبی جماعتوں سے الرجک ہیں۔ دونوں امریکہ کو اپنا مائی باپ تسلیم کرتے ہیں۔ جب سے پیپلز پارٹی کی باگ ڈور بے نظیر کے ہاتھ میں آئی ہے یہ جماعت بھارت سے اچھے تعلقات قائم کرنے کی زبردست قائل ہو چکی ہے اور مشرف بھی نائن الیون کے بعد بھارت سے اچھے تعلقات کے لئے مرتے جا رہے ہیں' چاہے ملک کی عزت و وقار اور عشروں پرانے موقف سے ہاتھ کیوں نہ دھونے پڑیں۔ لیکن اس سب کچھ کے باوجود پیپلز پارٹی سے معاملات اس لئے طے نہ پا سکے کہ مشرف بے نظیر سے خطرہ محسوس کرتے ہیں۔ وہ اسے کسی قیمت پر وطن واپس آنے کی اجازت نہیں دینا چاہتے۔ انہیں پیپلز پارٹی صرف اس شرط پر قبول تھی اگر اس میں سے بے نظیر کو minus کر دیا جائے۔ ظاہر ہے بے نظیر اس شرط کو کیسے قبول کر سکتی تھی پھر یہ کہ پارٹی کی قیادت یہ سمجھتی تھی کہ بے نظیر کو خواہ عارضی طور پر ہی الگ تھلگ رکھا جائے' اس سے عوام میں پارٹی کی مقبولیت ختم ہو جائے گی۔

لہٰذا مشرف کے پاس چار و ناچار ایم ایم اے کی چوائس باقی رہ جاتی تھی دوسری طرف ایم ایم اے بھی یہ سمجھتی تھی کہ اسمبلیوں میں ان کا اتنی تعداد میں نشستیں حاصل کر جانا صرف اس لئے ممکن ہوا کیونکہ تینوں عوامی شخصیات یعنی نواز شریف' بے نظیر اور الطاف حسین ملک میں موجود نہیں۔

ان پر مختلف نوع کی پابندیاں عائد ہیں اگر یہ اسمبلیاں ٹوٹ گئیں اور اگلے انتخابات میں پیپلز پارٹی' مسلم لیگ (ن) اور ایم کیو ایم کو اپنے قائدین کی سرپرستی میں آزادانہ طور پر انتخابات میں حصہ لینے کی اجازت مل گئی تو انہیں پھر ماضی کی طرح دو چار سے زائد نشستیں نہیں مل سکیں گی۔ لہٰذا اس کالم میں درجنوں مرتبہ اس خیال کا اظہار کیا گیا کہ چاہے ایم ایم اے اور مشرف کے درمیان معاہدے کے راستے میں کتنی ہی رکاوٹیں کیوں نہ نظر آئیں اور چاہے ایک دوسرے کے خلاف کتنے ہی سخت الفاظ کیوں نہ استعمال کئے جائیں' ان دونوں کے پاس باہمی معاہدے کے سوا کوئی چارہ ہی نہیں۔ ایک وقت آیا تھا کہ یہ کہہ دیا گیا تھا کہ مشرف اور ایم ایم اے کے درمیان مفاہمت اب خارج از امکان ہے۔ اس وقت بھی راقم نے عرض کیا تھا کہ یہ مفاہمت ہو کر رہے گی۔

ایک بڑے اردو اخبار کے بہت بڑے کالم نگار نے ایل ایف او کے معاملے پر فریقین نے کس قدر لچک دکھائی اور اس کا نقشہ کھینچا ہے۔ راقم کی رائے میں جہاں تک مشرف کے لچک دکھانے کا معاملہ ہے اسے کچھ یوں بیان کیا جا سکتا ہے کہ ایک شخص کسی مکان کا چوکیدار ہو' وہ گن پوائنٹ پر مکان پر قبضہ کرے' پھر کہے آؤ مجھ سے مذاکرات کرو۔ میں مکان کے ایک دو کمرے چھوڑ دیتا ہوں دیکھو میں کتنی لچک کا مظاہرہ کر رہا ہوں البتہ ایم ایم اے جو ملک میں اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے اسمبلیوں میں داخل ہوئی تھی' اس نے چودہ ماہ میں صرف دو ہی کام کئے ہیں یا اسمبلی میں ڈیسک پیٹے ہیں یا لچک دکھائی ہے۔ عوام نے ان کی لچک کے سوا ابھی تک کچھ نہیں دیکھا۔ بڑے دکھ سے یہ بات کہنی پڑتی ہے کہ فریقین نے ذاتی اور گروہی مفادات کو ترجیح دی ہے۔ صدر جنرل پرویز مشرف نیشنلسٹ ہونے کے دعویدار ہیں۔ کاش انہوں نے ایم ایم اے سے معاہدے کے لئے یہ شرط رکھی ہوتی کہ وہ کالا باغ ڈیم کی تعمیر میں حکومت کی مدد کرے گی۔ کاش انہوں نے یہ شرط رکھی ہوتی کہ لسانی اور فرقہ وارانہ بنیادوں پر نفرت کی جو لہر اس وقت ملک میں ہے' ایم ایم اے اس کا قلع قمع کرنے میں حکومت سے تعاون کرے گی اور اے کاش ایم ایم اے وردی اتارنے اور پہنانے کے چکر سے نکل کر اور اعتماد کا ووٹ دینے اور نہ دینے پر لعنت بھیج کر اسلامی نظام کے نفاذ کے حوالہ سے مشرف سے معاملات طے کرتی۔ افغانستان اور عراق کے حوالہ سے مشرف سے معاملات طے کرتی۔ افغانستان اور عراق کے حوالہ سے مشرف حکومت کے امریکہ سے تعاون کو ختم کرنے کو بطور شرط رکھا جاتا تب یہ تاثر ابھرتا کہ ایم ایم اے اسلامی نظام کے حوالے سے سنجیدہ ہے مزید برآں یہ کہ امت مسلمہ سے پاکستان کا تعلق جوڑنا اور دشمنان اسلام سے کٹنا ایم ایم اے کے پیش نظر ہے'

لیکن مشرف اپنی پاکستانیت کا محض ڈھنڈورا پیٹتے رہے اور جب وقت آیا تو ساری توانائیاں اپنے اقتدار کے تحفظ کے لئے جھونک دیں اور ایم ایم اے اسلام کے نعرے سے اپنا دل بہلاتی رہی اور عوام کو فریب دیتی رہی اور اس نے ان لوگوں کی بات سچ ثابت کر دی کہ انتخابات میں حصہ لینے والی مذہبی جماعتیں اسلام نہیں' اسلام آباد چاہتی ہیں اور سچی بات یہ ہے کہ اگر مذہبی جماعتیں انتخابات کے چکر سے باہر نہ نکل سکیں تو اسلام آئے گا نہ کبھی اسلام آباد ہاتھ لگے گا۔ کاش اے کاش! پانی سر سے گزرنے سے پہلے مذہبی و سیاسی جماعتیں ہوش میں آ جائیں اور انتخابی سیاست کو خیر باد کہہ کر امر بالمعروف اور نہی المنکر کو بنیاد بنا کر ایک عوامی تحریک برپا کریں اور وقت کے حکمرانوں کو یا تو اسلامی نظام کے نفاذ کے لئے مجبور کر دیں یا انہیں راستے سے ہٹا کر خود یہ مقدس فریضہ انجام دیں۔ یہی دینی جماعتوں کی حقیقی ذمہ داری ہے اگر انہوں نے اپنی اس ذمہ داری کی ادائیگی سے غفلت برتی تو وہ بدترین اور عبرت ناک انجام سے دوچار ہوں گی۔ ❁

بسوں میں وی سی آر کی لعنت؟

اس عید پر لاہور سے بہاولپور آنے جانے کے دوران مختلف بسوں پر سفر کرنے کا اتفاق ہوا۔ ٹرانسپورٹ کمپنیوں میں مسابقت اور مقابلے کی فضا کے باعث سفر میں وقت کی بچت کا خوشگوار احساس ہوا مگر ایک نیا رجحان جو بس کمپنیوں نے مسافروں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے اپنایا ہے' وہ یہ کہ بسوں میں وی سی آر پر گندی انڈین فلمیں دکھائی جا رہی ہیں۔ جس کے باعث شرفاء اور فیملی والوں کے لئے ان بسوں میں سفر کرنا سخت تکلیف دہ اور شدید ذہنی اذیت کا باعث بن رہا ہے اور یہ اذیت حقیقی معنوں میں حدیث نبویؐ ((السفر قطعة من العذاب)) یعنی ''سفر عذاب کے ٹکڑوں میں سے ایک ٹکڑا ہے'' کا مصداق بن گئی ہے۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسافروں کے احتجاج پر نہ بس کمپنیاں کان دھرتی ہیں نہ بس کا عملہ۔ فوجی حکمران یوں تو انڈیا سے دوستی کی بات کرنے پر بھی سیاست دانوں کو غدار قرار دیتے ہیں مگر اس جانب توجہ کیوں نہیں کی جاتی کہ دن رات ان بسوں میں چلنے والی انڈین فلمیں ہمارے معاشرے میں بے حیائی اور بے غیرتی کے جذبات جنم دے رہی ہیں اور ہماری تہذیب و تمدن کا کس طرح دھوم دھام سے جنازہ نکالا جا رہا ہے۔ نیز مذہبی جماعتیں جن کا مذہبی فریضہ ہی امر بالمعروف و نہی عن المنکر ہے' اس بے حیائی پر کان دبائے بیٹھی ہیں اور ان جماعتوں کے پیروکار اول تو خود جرأت نہیں کرتے کہ اس برائی کو روکیں' دوسرے اس برائی کے خلاف آواز اٹھانے والوں کا ساتھ بھی نہیں دیتے کہ وہ برائی ختم ہو سکے۔

بس کمپنیوں سے بھی گزارش ہے کہ وہ محض دولت کی ہوس میں اپنی نسلوں کو بے غیرت و بے حیا نہ بنائیں اور سفر کو معصوم بچوں اور والدین کے لئے ان فضولیات سے بچا کر اپنے لئے دنیا و آخرت میں بھلائی حاصل کریں۔

(مراسلہ: حافظ محبوب احمد خان' لاہور)

کیا آپ جاننا چاہتے ہیں کہ

❁ از روئے قرآن حکیم ہمارا دین کیا ہے؟

❁ ہماری دینی ذمہ داریاں کون کون سی ہیں؟

❁ نیکی' تقویٰ اور جہاد کی اصل حقیقت کیا ہے؟

تو مرکزی انجمن خدام القرآن کے جاری کردہ مندرجہ ذیل خط و کتابت کورسز سے فائدہ اٹھایئے:

(1) قرآن حکیم کی فکری و عملی راہنمائی کورس

(2) عربی گرامر کورس (I' II' III) (3) ترجمہ قرآن کریم کورس

مزید تفصیلات اور پراسپکٹس (مع جوابی لفافہ) کے لئے رابطہ:

شعبہ خط و کتابت کورسز قرآن اکیڈمی 36۔ کے' ماڈل ٹاؤن لاہور

کتاب مفت حاصل [illegible]

زمانۂ خلافت کے شہید وزیراعظم سعید حلیم پاشا کی کتاب ''خدا کی بادشاہت'' اور الطاف حسین حالی کی کتاب ''دین آسان ہے'' قارئین 15 روپے کے ٹکٹ بھیج کر منگوا سکتے ہیں۔ اگر ایک منگوائیں تو 10 روپے کے ٹکٹ بھیجیں۔

لیفٹیننٹ کرنل محمد ایوب خان 294 کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ فون: 6650120

تنظیم اسلامی کا پیغام
نظام خلافت کا قیام

❁❁*❁*❁*❁*

سن ستاون میں

عام اقتصادی حالت

سید قاسم محمود

❁ مغل سلطنت روز بروز کمزور ہو رہی تھی‘ صوبوں کے نواب آپس میں لڑ لڑ کر کمپنی بہادر (ایسٹ انڈیا کمپنی) کے لئے راستہ صاف کرنے میں لگے ہوئے تھے۔ 1757ء کی جنگ پلاسی کے بعد سے بنگال میں ہر طرف سے تباہی مچی ہوئی تھی۔ جنوبی ہند میں بھی انگریز آہستہ آہستہ مسلط ہوتے جا رہے تھے۔ غرضیکہ برعظیم پاک و ہند کا پرانا نظام بتدریج ٹوٹ رہا تھا اور اس کی جگہ ایک نیا تجارتی ”سرمایہ دارانہ“ نظام لے رہا تھا۔ بے شک اس نظام کا کرتا دھرتا انگریز تھا‘ لیکن اسے ایک نئے ملکی طبقے سے بڑی تقویت مل رہی تھی اور یہ طبقہ تھا‘ نو دولتیئے ہندو بنیوں اور مارواڑیوں کا۔

نو دولتیئے ہندو بنیے اور مارواڑی:

مشہور ہندوستانی ڈپلومیٹ اور مصنف پانیکار اپنی کتاب میں اس نئے طبقے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

”یورپی اقوام کے تجارتی مرکزوں کے قیام کی وجہ سے ہندوستان کے ساحلی علاقوں پر ایک طاقتور ہندوستانی سرمایہ دار طبقہ وجود میں آیا‘ جس کے اجنبی تاجروں کے ساتھ گہرے روابط تھے اور وہ ان کے ساتھ تجارتی لین دین سے خوب فائدہ اٹھاتا تھا۔ مثال کے طور پر شروع ہی میں سورت میں اس طبقے نے بڑی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ چنانچہ 1662ء میں اس طبقے کے بعض افراد نے وہاں کے مغل گورنر سے کمپنی کے حق میں سفارش کی تھی۔ اسی طرح مدراس میں مولپے اور مولیار خاندان کے ہندو تاجر بڑے بااثر ہو گئے تھے۔“

مارواڑیوں کے بارے میں پانیکار لکھتا ہے:

”اٹھارویں صدی کے دوران میں جب یوپی اور بہار کا سامانِ تجارت بنگال کے ذریعے باہر جانے لگا تو شمالی ہند کے تجارت پیشہ لوگ مرشد آباد اور کلکتہ کا رُخ کرنے لگے اور بنگال میں مارواڑی لکھ پتیوں کا زور بہت بڑھ گیا۔ بے شک نواب اور سپہ سالار بھی کبھی ان سے جو بن پڑتا تھا‘ نچوڑ لیا کرتے تھے‘ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس زمانے میں صوبوں کی معاشی زندگی کا اقتدار زوال پذیر مغل نوابوں کے ہاتھ سے نکل کر ان ہندو تاجروں کے ہاتھ میں منتقل ہو چکا تھا اور گو نواب اپنے درباروں میں ان کو اکثر ڈانٹ ڈپٹ کیا کرتے تھے‘ لیکن خزانے کی کنجیاں انہی کے پاس ہوتی تھیں۔“

بنیوں اور نئے سرمایہ داروں کا یہ طبقہ ہندو تھا۔ انگریز حاکموں اور تاجروں سے اس طبقے کی خوب چھنتی تھی‘ اور مسلمانوں کی حکومتوں سے اس طبقے کو موروثی نفرت تھی۔ اس نئے طبقے کی آمد سے ہندوستان کی ہیئتِ اجتماعی میں ایک بہت بڑا تغیر آیا۔ پرانا نظام دم توڑنے لگا اور انگریز اور بنیئے کا مخلوط نظام برسرِ کار آنے لگا۔ پانیکار کے الفاظ میں ”اب تک ہندوستان کی معیشت زرعی تھی اور قومی صنعت تمام تر مقامی ضرورتوں کے لئے ہوتی تھی۔ اس معیشت کا لازمی نتیجہ یہ تھا کہ زمینداروں اور فوجیوں کا‘ جنہیں جاگیریں دی جاتی تھیں‘ زور ہوتا‘ لیکن دو صدیوں تک یورپی تاجروں کے ذریعے جو بیرونی تجارت ہوتی رہی‘ تو اس سے ایک طبقہ بطور ایک درمیانی کڑی کے وجود میں آ گیا۔ بنگال میں اس طبقے کو غیر معمولی قوت حاصل ہو گئی تھی۔ چنانچہ اس کے لیڈر جگت سیٹھ کی ایک دفعہ نواب سراج الدولہ نے برسرِ عام توہین کی تھی‘ جس کا انتقام اس نے نواب سے بری طرح لیا۔“

پلاسی کی جنگ (1757ء) دراصل انگریزوں نے نہیں جگت سیٹھ نے جیتی تھی۔ اس نے نواب سراج الدولہ کے مخالفوں کا کمپنی سے معاملہ کرایا‘ اور اس کے سپہ سالاروں کو توڑا۔ انگریز کمپنی اور ہندو بنیئے کی پہلی ملی بھگت تھی‘ جس نے نئے نظام کو تقویت بخشی۔ چنانچہ مسلمان نواب اور جاگیردار ایک ایک کر کے ختم ہوئے اور اقتدار انگریز کے ظلِ ہمایونی کے تحت ہندوؤں کے زردار طبقوں کی طرف آہستہ آہستہ ہوتا گیا۔“

صنعت و حرفت کی بربادی:

ہندوستان کی صنعت و حرفت اور دولت کے افسانے دنیا بھر میں مشہور تھے اور بیرونی ممالک کے لالچی تاجروں اور سیاحوں کو یہ دلفریب داستانیں یہاں کھینچ کر لاتی تھیں‘ مگر ”سفید درندوں“ نے کالے مارواڑیوں اور بنیوں کی مدد سے اس سونے کی چڑیا کو نہ صرف بے جان کیا‘ بلکہ ہڈیاں اور گوشت بھی نوچ لیا۔ چنانچہ یا تو یہ حال تھا کہ بقول مصنف شیلڈن ”انگلستان میں جو ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی سے درآمد ہوتا تھا وہ بالکل بند ہو گیا‘ اس لئے کہ بنگال کا ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی کے ریشمی کپڑوں سے آدھی قیمت پر انگلستان پہنچ جاتا ہے اور دونوں سے بہتر بھی ہوتا ہے“۔ اور یہ عالم ہو گیا کہ ”اعداد و شمار سے اندازہ ہوتا ہے کہ 1793ء میں 32 لاکھ 45 ہزار 7451 پونڈ کا کپڑا ہندوستان سے انگلستان پہنچا اور یہ مقدار گھٹتے گھٹتے 1849ء میں بالآخر صرف 36 ہزار 151 پونڈ رہ گئی“۔ (بحوالہ محمد شفیع ”1857ء“)

صنعت و حرفت کی تباہی کا نتیجہ یہ ہوا کہ لاکھوں کاریگر‘ صناع اور دستکار دانے دانے کو محتاج ہو گئے۔ عوام کی غربت‘ بے روزگاری اور پریشان حالی اپنی انتہا کو پہنچ گئی اور یہ حالت ہو گئی کہ بقول سرسید ”کوئی سوئی بنانے والے اور دیا سلائی بنانے والے کو نہیں پوچھتا“۔

بہار اور بنگال کی دیوانی ملنے کے بعد کمپنی نے تمام تجارت پر قبضہ کر لیا اور اپنے فرانسیسی اور دیگر یورپی حریفوں کو نکال باہر کیا۔ اب تجارت اور کاروبار پر انگریزوں کا مکمل تسلط تھا۔ چنانچہ 1765ء میں گورنر جنرل کے فیصلے کے مطابق اعلان ہوا کہ ”فیصلہ کیا گیا ہے کہ انگریز تاجروں کی ایک سوسائٹی کو تمام تر حقوق نمک‘ چھالیہ اور تمباکو کی تجارت کے دے دیئے جائیں اور کوئی دوسرا شخص جو آنریبل کمپنی کے تابع (یعنی رعایا) ہو‘ مجاز نہیں کہ اس تجارت میں حصہ لے سکے۔“

عام لوگوں کو حکماً مجبور کیا گیا کہ وہ اناج وغیرہ اسی قیمت پر خرید و فروخت کریں‘ جس پر ان کے انگریز حکمران ان کو مجبور کریں۔ اگر وہ اس حکم کے خلاف ورزی کرتے تو کوڑوں کی سزا‘ قید‘ جرمانے اور دیگر مظالم سہنے پڑتے تھے۔ تاجروں نے عاجز ہو کر لندن میں فریاد بھیجی‘ مگر بیکار تھا۔ 1857ء تک تجارت بالکل تباہ ہو گئی‘ اور اس تجارتی حریف کا گلا گھونٹ دیا جس سے انگریز کسی طرح بھی مقابلہ نہ کر سکتے تھے۔“

زراعت کی تباہی

کاشتکار اور کسان بے کار اور بے روزگار ہوتے چلے گئے۔ پہلے بادشاہ اور اس کے حکام کاشتکاروں کے ساتھ رعایت کرتے تھے اور فراخ دلی سے پیش آتے تھے‘ مگر انگریز راج شروع ہوتے ہی کسانوں کی حالت خراب

ایسٹ انڈیا کمپنی (1594ء۔1857ء)

یہ انگلستان کی مشہور تجارتی کمپنی تھی' جس نے رفتہ رفتہ برعظیم پاک و ہند کے مختلف علاقوں پر ناجائز قبضہ کر کے برعظیم کو ایک برطانوی نوآبادی بنانے کی راہ ہموار کی۔ یہ کمپنی لندن کے چند تاجروں نے مل کر 22 ستمبر 1599ء کو قائم کی تھی۔ مقصد یہ تھا کہ برطانیہ اور ہندوستان کے درمیان تجارتی تعلقات قائم کئے جائیں۔ اُس وقت ہندوستان میں اکبر بادشاہ (متوفی 1605ء) کی حکومت تھی۔ 31 دسمبر 1599ء کو ملکہ الزبتھ اول کی جانب سے سرکاری اجازت نامہ مل گیا۔ ابتدا میں کمپنی کی توجہ زیادہ تر ملایا کی طرف تھی' مگر 1608ء میں کیپٹن ہاکنز نے جہانگیر بادشاہ سے سورت میں تجارتی کوٹھی (دفتر) قائم کرنے کی اجازت حاصل کر لی اور یوں برعظیم میں انگریزوں کے قدم جمنے شروع ہوئے۔

ابتدا میں انگریز تاجروں کو اپنے حریف پرتگالی تاجروں کی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا' لیکن جب 1612ء میں انگریزوں نے سورت کے مقام پر پرتگالیوں کو شکست دے دی تو مغل بادشاہ کو انگریزوں کی قوت کا احساس ہوا اور اس نے مغل دربار میں ایک برطانوی سفیر مقرر کرنے کی اجازت دے دی۔ پہلا انگریز سفیر سر ٹامس رو تھا جو شاہ انگلستان کی طرف سے 1615ء میں جہانگیر کے دربار میں حاضر ہوا۔ اس نے بڑی حکمت اور دانش مندی سے ایسٹ انڈیا کمپنی کے لئے تجارتی مراعات حاصل کیں اور سورت کے علاوہ مسولی پٹم' مدراس' بالاسور اور کئی دیگر مقامات پر تجارتی کوٹھیاں قائم کرنے کی اجازت لینے میں کامیاب ہو گیا۔ اس اثناء میں ولندیزیوں نے انگریزوں کو جزائر شرق الہند (ملایا' انڈونیشیا وغیرہ) سے نکال باہر کیا اور یوں ہندوستان انگریزوں کی توجہ خاص اور بڑا مرکز بن گیا۔

1644ء میں مغل شہزادی جہاں آراء بیگم کا کامیاب علاج کرانے پر انگریز ڈاکٹر باٹن نے انعام کے طور پر ایسٹ انڈیا کمپنی کو بنگال میں بلامحصول تجارت اور تجارتی دفاتر قائم کرنے کی اجازت طلب کی۔ یہ اجازت فوراً مل گئی اور یوں بنگال میں انگریزوں کی متعدد تجارتی کوٹھیاں قائم ہو گئیں۔ 1662ء میں پرتگال کے بادشاہ نے شہر بمبئی جو ان کے قبضے میں تھا' شاہ انگلستان جارج کو اس کی شادی کے موقع پر ملکہ کیتھرائن کے جہیز میں پیش کیا اور یوں یہ شہر بھی انگریزوں کے تسلط میں آ گیا۔ اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ابتداء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کو نامساعد حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ تاہم انگریزوں نے جلد ہی سیاسی مصالحت سے کام لے کر کلکتہ کے مقام پر ایک کارخانہ قائم کیا۔ پھر اس کی قلعہ بندی کر کے اس کا نام "فورٹ ولیم" رکھا۔ اس شہر نے جو بعد میں کلکتہ کے نام سے موسوم ہوا' بہت جلد ترقی کی اور برعظیم میں ایسٹ انڈیا کمپنی کا صدر مقام بن گیا۔

رفتہ رفتہ کمپنی نے ہندوستان کے دوسرے علاقوں میں بھی قدم جمانے شروع کئے اور انہیں فتح کرنا شروع کیا۔ مغلیہ سلطنت کے زوال کی وجہ سے انگریزوں کو سازگار موقع اور ماحول مل گیا۔ یوں بنگال' میسور' اودھ' تنجور' سورت' کرناٹک' پنجاب اور سندھ انگریزوں کے تسلط میں آ گیا۔ 1857ء میں مسلمانانِ ہند نے ہندوؤں کے تعاون سے اس غاصبانہ تسلط کے خلاف ایک بھرپور جنگ لڑی جو تاریخ میں "جنگ آزادی" کے نام سے موسوم ہوئی' لیکن جسے ایسٹ انڈیا کمپنی کے اربابِ اقتدار نے "غدر" کہا۔ اس جنگ آزادی میں انگریزوں کو کامیابی حاصل ہوئی' جس کے نتیجے میں برعظیم براہِ راست تاج برطانیہ کے زیر تسلط آ گیا اور 1858ء میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت کا خاتمہ ہوا۔ کمپنی کے عہد میں برطانیہ نے اپنے گورنر جنرلوں کی وساطت سے حکومت کی' جن کے نام اور وقت کی تفصیل یہ ہے۔

(1) لارڈ کلائیو گورنر (1757ء۔1765ء)	(2) وارن ہیسٹنگز (1772ء۔1785ء)	(3) لارڈ کارنوالس (1786ء۔1793ء)
(4) لارڈ ولزلی (1798ء۔1805ء)	(5) جارج بارلو (1805ء۔1807ء)	(6) لارڈ منٹو (1807ء۔1813ء)
(7) لارڈ ہیسٹنگز (1813ء۔1823ء)	(8) لارڈ ایمہرسٹ (1823ء۔1828ء)	(9) ولیم بینٹک (1828ء۔1835)
(10) لارڈ آک لینڈ (1836ء۔1842ء)	(11) لارڈ ایلن بورو (1842ء۔1844ء)	(12) لارڈ ہارڈنگ (1844ء۔1848ء)
(13) لارڈ ڈلہوزی (1848ء۔1856ء)	(14) لارڈ کیننگ (1856ء۔1857ء)	(لارڈ کیننگ آخری گورنر جنرل اور پہلا وائسرائے تھا)

ہونے لگی۔ ستم بالائے ستم یہ کہ گورنر جنرل کانوالس کے "بندوبست دوامی" نے حالات اور بھی بدتر کر دیئے۔ باری علیگ اپنی کتاب "کمپنی کی حکومت" میں لکھتے ہیں: "کارنوالس نے انگلستان کی وزارت کی مدد سے ہندوستان میں کمپنی کے مقبوضات میں اضافہ کیا۔ اہل ہند کو آرہ کشوں اور آب برداروں (سقوں) میں تبدیل کر دیا۔ آئینی اصلاحات کی شکل میں فتنہ و فساد کا بیج بویا اور بندوبست دوامی رائج کر کے کسانوں کو بالکل تباہ کر دیا۔"

مغل بادشاہت کے زمانے میں سالانہ زرعی پیداوار کا صرف ایک حصہ بطور لگان وصول کیا جاتا تھا۔ زمین پر کاشتکاروں اور کسانوں کا حق تھا اور شاہی و سرکاری ملکیت تصور نہ ہوتی تھی' مگر کمپنی کے عہد میں زمین کو حکومت کی ملکیت مانا گیا اور سالانہ لگان جو پہلے فصل پر موقوف تھا' اب مقررہ مقدار میں زمین کے رقبے سے ٹیکس کی صورت میں لگایا گیا' جس میں فصل کی بہتری یا خرابی کا کوئی لحاظ نہ رکھا گیا اور نہ اس سے کوئی سروکار تھا کہ زمین کا کتنا حصہ کاشت کیا گیا ہے۔ اکثر حالتوں میں یہ ٹیکس انفرادی تھا جو یا تو براہ راست کاشتکار سے وصول کیا جاتا تھا اور یا زمینداروں پر حکومت کی جانب سے واجب تھا۔ زمین پر اس براہ راست ٹیکس نے دیہات کی مالی حالت تباہ کر کے رکھ دی۔

"بندوبست دوامی" کی رو سے ہزارہا جائیدادیں لگان ادا نہ ہونے پر قرق اور فروخت کر دی گئیں اور جس نے زیادہ بولی لگائی' اس کے حوالے ہو گئیں۔ چنانچہ زمین کے پرانے مالک جو گاؤں ہی کے باشندے ہوتے اور کاشتکار زیادہ تر انہی کی ذات برادری بلکہ اکثر ان کے رشتہ دار ہوتے تھے۔ وہ اپنی زمین سے محبت کرتے تھے' مگر نئے مالکان کے جذبات کاروباری تھے۔ وہ زمین کی پروا نہیں کرتے تھے' بلکہ صرف اپنی رقم پر منافع حاصل کرنے کی خواہش رکھتے تھے۔

سو سال تک اس مسلسل لوٹ کھسوٹ نے نوبت یہاں تک پہنچا دی کہ 1857ء میں اودھ کا جوڈیشل کمشنر ایم آر گبنس بغاوت کے زمانے میں لکھتا ہے "میں نے کہیں بھی اس قدر غریبی اور مفلسی نہیں دیکھی جتنی کہ اودھ میں نظر آتی ہے۔"

جاگیرداری اور تعلقہ داری کا خاتمہ تو ہوا ہی تھا۔ مگر جاگیریں اور اراضی اس بے ڈھنگے پن سے ضبط و نیلام کی گئیں کہ تمام ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا۔ سرسید لکھتے ہیں: "اراضیات کی بے جا ضبطی نے جس قدر رعایائے ہندوستان کو ناراض اور بدخواہ ہماری گورنمنٹ کا کر دیا تھا' اس سے زیادہ کسی اور چیز نے نہیں کیا۔ سچ فرمایا لارڈ منرو اور ڈیوک آف ولنگٹن نے کہ ضبط کرنا معافیات کا' ہندوستانیوں سے دشمنی پیدا کرنی اور ان کو محتاج کر دینا ہے۔"

مشہور انگریز مؤرخ اور ماہر معاشیات جان کے (John Kaye) لکھتا ہے "زمینوں کا نیلام کیا گیا اور ایسی بے ترتیبی سے ہوا کہ تمام الٹ پلٹ ہو گیا۔ پھر قانون 1821ء جاری ہوا جس سے اور صدہا قسم کی خرابیاں پیدا ہو گئیں۔ غلط طرزِ حکومت کے خراب نتائج کبھی اس قدر ہولناک ظاہر نہیں ہوئے تھے۔ کبھی کسی غارت گر اور مجہول حکومت کی خرابیوں نے اس قدر پریشان حالی پیدا نہیں کی تھی۔"

جاری ہے

کیا وہ پاگل تھی؟

طیبہ ضیاء

مسلمان ماہر نفسیات ذہنی امراض کے وارڈ کا راؤنڈ لگا رہی تھی کہ ستر سالہ نینسی نے اس کا بازو تھامتے ہوئے کہا ''ڈاکٹر تمہیں پتہ ہے کہ فلسطین' افغانستان اور عراق کے بے گناہ مسلمانوں کی موت کی میں ذمہ دار ہوں۔ صدر بش جس ایک ووٹ سے جیتا تھا' وہ میرا ووٹ تھا۔ لہٰذا میں ہی تم مسلمانوں کے خون کی قاتل ہوں''۔

مسلمان ڈاکٹر نینسی کے کاندھے پر تسلی کا ہاتھ رکھتے ہوئے سوچتی رہی کہ کیا نینسی واقعی ایک پاگل عورت ہے۔ لفظوں کی شطرنج سے کھیلنے والے صدر بش اور ان کا میڈیا انسانی عقل کے مہروں سے کھیلنا خوب جانتا ہے۔ نائن الیون کے بعد مڈل ایسٹ خاص طور پر فلسطینیوں کے مظالم کی تصویر کشی کرنے میں امریکی پرنٹ میڈیا بھی اس شطرنج کا منجھا ہوا کھلاڑی ثابت ہوا ہے۔ ''خبر'' کی حقیقت کیا ہے۔ خبر ''الفاظ کا بم'' ہے جو قاری کی دھڑکنوں پر گرایا جاتا ہے۔ اخبار کی سرخی سے اگر قاری کا چہرہ سرخ نہ ہو تو وہ خبر نہیں بلکہ ''خیر'' ہے۔ پرنٹ میڈیا پر منحصر ہے کہ وہ الفاظ کا چناؤ کس طرح کرتا ہے۔ ایک ہی خبر مختلف اخبارات میں مختلف انداز سے پیش کی جاتی ہے۔ مشہور ماہر نفسیات ڈاکٹر فل کے پاس ایک نفسیاتی مریضہ آئی جسے معمولی بات کو ''ایمرجنسی'' یا ''ڈرامہ'' بنا کر پیش کرنے کا مرض لاحق تھا۔ اس کے بیٹے نے اپنی ماں کی ذہنی حالت بیان کرتے ہوئے بتایا کہ ایک روز اس کے باپ کو بخار ہو گیا' ماں نے دفتر میں اسے فون کر کے بتایا کہ تمہارے باپ کو دل کا دورہ پڑا ہے' فوراً گھر پہنچو۔

ڈاکٹر فل نے عورت سے اس مرض کی وجہ دریافت کی تو وہ ہنستے ہوئے بولی کہ میرے خیال میں جب تک کسی واقعہ یا بات کی خوفناک اور ہولناک تصویر کشی نہ کی جائے' کوئی آپ کی بات کو اہمیت نہیں دیتا۔ لہٰذا میں اہمیت حاصل کرنے کے لئے ''ڈرامہ'' کرتی ہوں''۔ دنیا بھر کے پرنٹ میڈیا کو بھی یہی مرض لاحق ہے۔ گزشتہ دو برسوں کی خبروں کا ہی موازنہ کر لیں تو پتہ چلتا ہے کہ امریکی پرنٹ میڈیا اسرائیلی کے مقابلہ میں فلسطینی کے حق میں کس قدر انصاف اور ہمدردی کا ثبوت دے رہا ہے۔ فلسطین اور اسرائیل کے مابین جذباتی و ذہنی جنگ میڈیا کے میدان میں کھیلی جاتی ہے۔ لفظوں کا ''چناؤ'' قاری کی ذہنی و جذباتی سوچ کا دھارا بدل کر رکھ دیتا ہے۔

امریکی پرنٹ میڈیا کے لئے Euphemisms (کڑوی اور خوفناک بات کو ان الفاظ میں پیش کرنا جیسے کچھ ہوا ہی نہیں) Misnomers (حقیقت کو غلط مفہوم پیش کرنا) Exaggerration (بات کو بڑا چڑھا کر پیش کرنا) جیسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ ایک ہی خبر کو کئی انداز اور زاویوں سے پیش کیا جاتا ہے۔ 3 ستمبر 2003ء میں ایک فلسطینی نے ایک اسرائیلی اور اس کی بچی کو گولی مار دی۔ اس خبر کی نیویارک ٹائمز سرخی لگاتا ہے کہ ''یہودی اپنے نئے سال کی خوشی منا رہے تھے کہ ایک فلسطینی گن مین نے دو اسرائیلیوں کو گولی مار دی''۔ اسی خبر کو Associated Press کچھ اس انداز میں پیش کرتا ہے کہ ''جہاد کے ایک کارکن نے ایک اسرائیلی بچی کو گولی مار دی''۔ واشنگٹن پوسٹ' لاس اینجلس ٹائمز ہیوسٹن کرونیکل جیسے نامور اخبارات نے بھی مسلمانوں کے خلاف مزید نفرت کی فضا پیدا کرنے کے لئے اس خبر کو خوب مرچ مصالحہ لگا کر پیش کیا جبکہ کسی فلسطینی بچے کی موت کی کوئی خبر امریکی اخباروں کی ''سرخی'' تو کیا ''زردی'' بھی نہ بن سکی۔ اسرائیلی ہیومن رائٹس کے ایک مستند معلوماتی ادارے کی رپورٹ کے مطابق گزشتہ دو برسوں کے دوران 99 اسرائیلی اور 401 فلسطینی بچے گولیوں کا نشانہ بنے مگر پرنٹ میڈیا نے معصوم فلسطینی بچوں کی خبریں شائع کرنے کی زحمت گوارا نہ کی۔ اسرائیل اور فلسطین کے مابین جنگ بندی کا معاہدہ کیا گیا تھا جو چھ ہفتوں کے بعد توڑ دیا گیا۔ مشہور اخبارات نے اس خبر کو کچھ یوں شکل دی ''خودکش حملہ نے بالآخر چھ ہفتوں کا سکوت توڑ ڈالا''۔ اس خبر سے یہ ثابت کرنا مقصود تھا کہ اس معاہدے کی خلاف ورزی بھی فلسطینی دہشت گردوں کی جانب سے ہوئی ہے۔ فلسطینی ریڈ کریسنٹ سوسائٹی کے مطابق چھ ہفتوں کی جنگ بندی کے معاہدہ کے دوران 17 فلسطینی مارے گئے جبکہ 59 زخمی ہوئے مگر کسی امریکی اخبار نے خبر نہیں دی جبکہ چھ ہفتوں بعد ایک خودکش حملہ میں صرف دو اسرائیلی مارے جانے پر امریکی اخبار برادری میں معاہدہ یا سکون ٹوٹ جانے کا شور مچ گیا اور ان دو اسرائیلیوں کی تصاویر اخبارات کے پہلے صفحہ پر شائع کی گئیں۔

امریکی پریس کے نزدیک کوئی اسرائیلی نہ مرے تو ''Peace'' ہے وگرنہ Violence اور اسرائیلی حملوں کو Retaliation یعنی جوابی کارروائی کا نام دیا جاتا ہے' جبکہ حقیقت بے نقاب ہے کہ حملہ جدید مہلک ہتھیاروں سے ہوتا ہے اور جوابی کارروائی سنگ باری اور بھوکے ننگے پیٹوں پر بم باندھنے سے کی جاتی ہے۔ فلسطینی زندہ بھون دیئے جائیں تو امریکی اخبارات ''آگ میں پھنس گئے'' کہہ کر جان چھڑا لیتے ہیں' جبکہ اسرائیلی کے مرنے پر ''Carage'' ''ذبح'' کا لفظ بولا جاتا ہے۔ یہودی امریکی میڈیا کے لفظی چناؤ سے حقیقت نہیں بدلی جا سکتی۔

10 اپریل 2002ء میں نیویارک ٹائمز کی ایک ہیڈ لائن تھی کہ ''اسرائیل میں ایک بس میں خودکش حملے میں قریباً آٹھ اسرائیلی مارے گئے۔ خبر کے قریباً چھ پیراگراف کے بعد ایک چھوٹا سا جملہ رقم تھا'' اس حادثے کا شکار ہونے والوں میں 100 فلسطینی بھی شامل تھے''۔ ون ورلڈ کی ایک حالیہ رپورٹ کے مطابق جب سے ''انتفاضہ'' شروع ہوا ہے' دونوں اطراف سے 3,000 کے لگ بھگ افراد مارے گئے ہیں جن میں فلسطینیوں کی تعداد تین گنا بتائی جاتی ہے مگر امریکی میڈیا اس حقیقت کو بھی گھونٹ کر پی گیا۔ عراق میں آئے روز امریکی فوجی مارے جا رہے ہیں' اسلام قبول کر رہے ہیں' کچھ نے مسلمان عراقی عورتوں سے شادی کر لی ہے' بہت سے گھروں کو واپس آنے کے لئے تڑپ رہے ہیں' واپس آنے والوں میں چند نے ڈیپریشن کی وجہ سے خودکشی کر لی ہے اور کئی نشے کے عادی ہو رہے ہیں' مگر امریکی میڈیا واویلا مچانے کی بجائے صبر اور استقامت کا ثبوت دے رہا ہے جس کی وجہ صدر بش کی حالیہ تقریر ہے جس میں انہوں نے میڈیا سے شکایت کی کہ وہ عراق میں امریکی فوجیوں پر ڈھائے گئے مظالم کی تصویر کشی بند کریں۔ امریکی فوج میں قریباً چھ ہزار مسلمان فوجی شامل ہیں جو نائن الیون کے بعد سے امریکی حکومت کے لئے پریشانی کا باعث ہیں۔ صدر بش کو کسی مسلمان پر اعتبار نہیں رہا' جیسے مسلمانوں کا امریکی حکومت سے مکمل طور پر اعتبار اٹھ چکا ہے۔

پاگل نینسی کے پاس سے جب بھی مسلمان ڈاکٹر کا گزر ہوتا' وہ اس کا بازو تھام کر کہتی ''تم مسلمانوں کی قاتل میں ہوں۔ کاش میں اپنے ووٹ کے ساتھ انصاف کرتی تو بش کبھی صدر نہ بن سکتا تھا''۔ کیا نینسی واقعی ایک پاگل عورت تھی یا اسے بش حکومت اور ان کے میڈیا نے پاگل بنا ڈالا تھا۔

(بشکریہ: روزنامہ ''نوائے وقت'')

ڈاکٹر شاہد مسعود

مشہور عالمی ٹی وی نیٹ ورک ''اے آر وائی'' (دبئی) کے ڈائریکٹر نیوز اینڈ کرنٹ افیئرز جناب ڈاکٹر شاہد مسعود نے 30 نومبر کو لاہور آ کر ''تنظیم اسلامی'' کے صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد سے ایک طویل انٹرویو کیا تھا جو عنقریب اے آر وائی سے ٹیلی کاسٹ ہوگا۔ اس موقع پر خود ڈاکٹر شاہد مسعود سے ''تنظیم اسلامی'' کے حلقہ لاہور کے امیر' محترم ایوب بیگ مرزا اور ناظم نشر و اشاعت وسیم احمد صاحب نے ایک انٹرویو لیا' جس کا مکمل متن ہدیۂ قارئین ہے۔

ڈاکٹر شاہد مسعود ڈائریکٹر نیوز اینڈ کرنٹ افیرز ARY ڈیجیٹل سے مرزا ایوب بیگ اور وسیم احمد کا ''ندائے خلافت'' کے لئے خصوصی انٹرویو کا مکمل متن۔

س : ڈاکٹر صاحب ARY کے پروگرام Views on News کے میزبان کے حوالے سے تو دنیا آپ کو جانتی ہے برائے کرم قارئین ندائے خلافت سے اپنا تفصیلی تعارف کروا دیں؟

ج : میں میڈیکل ڈاکٹر ہوں اور سرجری میں specialize کیا ہوا ہے۔ Imperial College London سے فیلوشپ کی ہوئی ہے اور research فیلوشپ بھی کی ہوئی ہے۔ کراچی میں میڈیکل میں تین سال پڑھایا۔ پروفیشن کے حوالے سے مختلف جنرلز میں میرے مضامین چھپے ہیں۔ دو سال سے میڈیا سے وابستہ ہوں۔ پچھلے ایک سال سے ARY ڈیجیٹل میں ڈائریکٹر نیوز کرنٹ افیرز کی ذمہ داری نبھا رہا ہوں۔

س : الیکٹرانک میڈیا میں آپ کی آمد ارادتاً تھی یا حادثاتی؟

ج : (مسکراتے ہوئے) ہمارے ملک میں اہم نشستوں پر زیادہ تر لوگ حادثاتی انداز میں آئے ہیں۔ 11 ستمبر 2001ء کے واقعہ کے بعد ملک میں vacuum تھا۔ ٹی وی چینلز زیادہ نہیں تھے۔ گورنمنٹ کے ٹی وی چینلز گورنمنٹ کی پالیسیاں لے کر چل رہے تھے۔ ایسے حالات میں احساس ہوا کہ کچھ کرنا چاہئے۔ الحمدللہ سوا دو سال کا عرصہ گزر چکا ہے مجھے بتایا جاتا ہے کہ Current affairs کا کوئی پروگرام اتنا لمبا عرصہ نہیں چلا۔ views on news کے تقریباً 1200 پروگرام چل چکے ہیں۔ اس میں منفرد بات یہ ہے کہ سابقہ دور میں ایک شخص خبریں پڑھا کرتا تھا جب کہ current affairs کا پروگرام ہمیشہ دو آدمی کیا کرتے تھے۔ یہ پروگرام میں اکیلا کر رہا ہوں۔ یہ آپ کی دعائیں اور اللہ کا احسان ہے جس نے مجھے یہ ہمت دی ہوئی ہے۔

س : ڈاکٹر صاحب ARY کا ہیڈ کوارٹر دبئی میں ہے وہاں جمہوریت نہیں ہے آپ کو وہاں کام کرتے ہوئے بہت مشکلات پیش آئی ہوں گی؟

ج : ہمیں وہاں کوئی مشکلات درپیش نہیں ہیں۔ دبئی گورنمنٹ نے Media City قائم کیا ہوا ہے جہاں پر ہمارے ساتھ العربیہ' جو عراق کی جنگ کے دنوں میں بہت مقبول ہوا ہے اور بعض مقامات پر جس کی الجزیرہ سے زیادہ extensive coverage تھی' "Reuters" CNN' Associated Press کے دفاتر بھی وہیں پر ہیں۔ اس میڈیا سٹی کے الگ اصول و ضوابط ہیں جہاں کام کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ ابھی تک ہمیں کسی قسم کی دشواری کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔

س : ڈاکٹر صاحب آپ نے الجزیرہ کا نام لیا ہے جس کا ہیڈ کوارٹر قطر میں ہے جہاں پر امریکہ کا بہت بڑا فوجی اڈہ ہے آپ کے خیال میں الجزیرہ کا اینٹی امریکہ رول مشکوک نہیں ہو جاتا؟

ج : الجزیرہ کے بارے میں لوگوں کا ملا جلا تاثر ہے۔ بعض لوگ اس پر پورا اعتماد کرتے ہیں جب کہ کچھ لوگوں کے ذہن میں شکوک و شبہات بھی پائے جاتے ہیں۔ میں اس بارے میں پورے وثوق سے کچھ نہیں کہہ سکتا البتہ اتنا ضرور جانتا ہوں کہ اس چینل پر بہت زیادہ دباؤ ڈالا گیا جس کے نتیجے میں انہوں نے بہت سے ایسے لوگوں کو نکال دیا ہے جو بہت اچھا کام کر رہے تھے۔ لیکن اس چینل کی بشمول یورپ viewership بہت زیادہ بڑھی اور انہوں نے معاشی طور پر بے انتہا ترقی کی ہے۔ حالیہ جنگ میں بھی ان کی کوریج بہت اچھی تھی بظاہر اس کا رول اچھا لگتا ہے۔ آپ بھی پاکستان میں ماشاءاللہ اتنا اچھا کام کر رہے ہیں۔

س : فلسطین میں قتل و غارت کرنے کے باوجود میڈیا پر کنٹرول کی وجہ سے یہودی مظلوم اور مسلمان دہشت گرد ہے۔ آپ کے خیال میں مسلمانوں کو کیا ذرائع استعمال کرنے چاہئیں کہ دنیا کو اصل حقائق کا پتہ چل سکے؟

ج : میرے خیال میں یہودی تو کہیں بھی مظلوم نظر نہیں آتے آج تک آپ کے خودکش حملے کے خلاف برطانیہ' پیرس یا نیویارک کی سڑک پر مظاہرہ ہوتے دیکھا ہے۔ 20 لاکھ افراد کا جلوس یہودیوں کے لئے نہیں عراقی عوام کی ہمدردی میں سڑکوں پر آیا ہے۔

س : دیکھئے مسلمانوں کو تو دہشت گرد ثابت کرنے کی کوشش انہوں نے کی ہے ناں؟

ج : میں اس سے بھی اختلاف کروں گا یہ محدود پراپیگنڈہ ضرور ہے اگر عام آدمی مسلمانوں کو دہشت گرد سمجھ رہا ہوتا تو کبھی صدر بش کے خلاف 20 لاکھ افراد سڑک پر نہ آتے۔ اسرائیل کی حمایت تو 10 ہزار افراد بھی نہیں کریں گے۔ یہ وہ باتیں ہیں جو میڈیا میں آ رہی ہیں یا آپ انہیں گورنمنٹ' آر ٹی' نیٹو یا اقوام متحدہ کی پالیسی میں دیکھتے ہیں۔ آپ عام آدمی سے ملیں کسی ٹیوب یا جہاز میں سفر کریں تو وہ لوگ مسلمانوں کو حق پر سمجھتے ہیں وہ لوگ extremists کی ضرور مخالفت کرتے ہیں اگر آپ انہیں کہیں کہ برقعہ نہ پہنا تو گردن کاٹ دی جائے گی تو وہ ضرور مخالفت کریں گے لیکن آپ ان سے real educated اور cultured انداز میں گفتگو کریں تو وہ ضرور قائل ہوتے ہیں۔ انتہا پسند گروپ بھی موجود ہیں لیکن اکثریت کی رائے مسلمانوں کے حق میں ہے۔

س : آپ کے خیال میں امریکہ عراق میں تحریک مزاحمت کو کچلنے میں کامیاب ہو جائے گا؟

ج : میرے خیال میں امریکہ عراق میں مزید پھنسے گا۔ عراقی جاگ چکے ہیں اور اکثر اتحادی ممالک اٹلی' سپین' ترک وغیرہ پر حملے کئے جا رہے ہیں۔ میرے خیال میں عراق امریکہ کے لئے دلدل ثابت ہوگا۔

س : کوئی منظم جماعت مزاحمتی تحریک چلا رہی ہے؟

ج : میں آپ کو اپنا واقعہ سناتا ہوں جس دن سقوط بغداد ہوا میں بصرہ میں تھا جہاں ایک دہشت' انارکی اور کرفیو کا سماں تھا وہاں کے مقامی لوگوں سے میری ملاقات ہوئی تو میں نے ٹوٹی پھوٹی عربی اور انگلش میں ان سے پوچھا کہ آپ کیسے لڑ رہے ہیں تو مجھے ایک بچے نے جس کی عمر 13 یا 14 سال تھی نے بتایا کہ تمہیں گن چاہئے 25 ڈالر کی دوں گا' دوسرا بھاگا ہوا آیا اور کہنے لگا مجھ سے 20 ڈالر میں لے لو' میں نے کہا مجھے پسٹل کیوں نہیں دیتے تو وہ کہنے لگا لا یہ

نہیں دوں گا۔ چھوٹا اسلحہ ہم اپنے لڑنے کے لئے رکھیں گے' مطلب یہ کہ ان کا کوئی منظم گروہ یا فرد لیڈ نہیں کر رہا بلکہ وہ انفرادی لڑائی لڑ رہے ہیں۔

س: ڈاکٹر صاحب کیا یہ تاثر درست ہے کہ عراق کی تحریک مزاحمت نے امریکہ کو مزید مسلمان ممالک کے خلاف کارروائی سے روک دیا ہے؟

ج: بلاشبہ درست ہے بعض سرکردہ شخصیات جن سے میری ملاقات ہوئی ہے امریکہ کی یہ حالت دیکھ کر خوش ہوتے ہیں اور دعائیں بھی کرتے ہیں کہ امریکہ اسی طرح عراق میں پھنسا رہے تا کہ دوسرے ممالک کی جان بچی رہے۔

س: عراق میں امریکہ کی ناکامی کی صورت میں عراق کا عدم استحکام دوسرے عرب ممالک خصوصاً سعودی عرب کو متاثر نہیں کرے گا؟

ج: میرے خیال میں امریکہ عرب ورلڈ سے نکل نہیں پائے گا۔ امریکہ طویل عرصہ کے لئے عراق' شام' فلسطین کو کنٹرول کرنے کے لئے ٹھہرے گا۔

س: کیا امریکی اقتصادی حالت اس کی اجازت دے گی؟

ج: امریکہ کی اکانومی خود کفیل اور اپنے پاؤں پر کھڑی ہے۔ انہیں کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ انہوں نے 375 بلین روپے کا حال ہی میں بل پاس کیا اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

س: کیا اسلامی ملک کی طرف سے عراق میں افواج بھیجنے کا امکان ہے؟

ج: اس حوالے سے ہر ملک کی حکومت پر عوامی دباؤ امریکی دباؤ سے زیادہ ہے۔ سب جانتے ہیں کہ یہ ایشو ان کے اپنے ممالک میں برائیاں ہی لے کر آئے گا اور میرے خیال میں کوئی ملک ایسا چانس نہیں لے گا۔

س: ڈاکٹر صاحب پاکستان میں مشرف کی عطا کردہ جمہوریت کو ایک سال ہو چکا ہے اس عرصہ میں LFO کا مسئلہ حل نہیں ہو سکا۔ اس پس منظر میں آپ پاکستان میں جمہوریت کا کیا مستقبل دیکھتے ہیں؟

ج: Global Scenario میں پاکستان میں جمہوریت کے موجود ہونے یا نہ ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ میرے خیال میں تمام مروجہ نظاموں میں کوئی خاص فرق نہیں ہے لہٰذا جمالی صاحب کی بجائے پرائم منسٹر چودھری شجاعت یا صدر مشرف کی بجائے کوئی اور آ جائے یہ چیزیں matter نہیں کرتیں۔ شخصیات کے آنے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

س: ڈاکٹر صاحب اگر اس وجہ سے ملک میں کوئی بحران پیدا ہو جائے تو کیا دشمن اس سے فائدہ نہیں اٹھائے گا؟

ج: اس Political System کی موجودگی میں کوئی اندرونی بحران پیدا نہیں ہو گا۔ یہ سیاسی نظام اگرچہ اچھا نہیں لیکن مستحکم ہے۔

س: ڈاکٹر صاحب ایک Statement ہمارے حکمرانوں کی طرف سے اکثر سننے میں آتی ہے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات محفوظ ہاتھوں میں ہیں۔ کیا آپ اس سے اتفاق کرتے ہیں اور کیا امریکی مطالبات کے سامنے ہماری مسلسل پسپائی اس حد تک پہنچ سکتی ہے کہ ہم ایٹمی اثاثہ جات سے دست بردار ہو جائیں؟

ج: (مسکراتے ہوئے) یہ میں نے بھی سنا ہے کہ پاکستان کے ایٹمی اثاثہ جات محفوظ ہاتھوں میں ہیں لیکن یہ کبھی نہیں سنا کہ ہمارے اپنے ہاتھوں میں ہیں۔ کسی اہم شخصیت سے ملاقات پر ضرور پوچھوں گا کہ یہ محفوظ ہاتھ کس کے ہیں۔

س: تازہ ترین خبروں کے مطابق افغانستان میں طالبان دوبارہ ابھر رہے ہیں کیا اس میں کوئی خارجی ہاتھ ہے اور آپ طالبان کی کامیابی کے کتنے امکانات دیکھتے ہیں؟

ج: افغانستان میں طالبان امریکہ کی پشت پناہی کے بغیر مضبوط نہیں ہو سکتے اور مجھے اس بات پر کسی قسم کا کوئی شک نہیں کہ افغانستان میں طالبان کے علاوہ امریکہ کا کوئی حلیف نہیں بن سکتا۔ شمالی اتحاد کبھی بھی امریکہ کا فطری حلیف نہیں بن سکتا۔ وہ لوگ انڈیا اور روس کے مفادات کا زیادہ خیال رکھتے ہیں اگر آپ انہیں کہیں کہ آپ نے واشنگٹن جانا ہے یا نئی دہلی تو وہ نئی دہلی جائیں گے۔ وہ اب بھی امریکہ کو ڈبل کراس کرتے ہیں۔ امریکہ کو اگر افغانستان میں stability لانی ہے تو انہیں طالبان یا پشتونوں سے رابطہ کرنا پڑے گا۔ امریکہ moderate طالبان کو ڈھونڈ رہا ہے جو انہیں نہیں مل رہے۔ لیکن انہیں ultimately انہیں لوگوں سے معاملات طے کرنے پڑیں گے۔ کیونکہ طالبان کبھی بھی امریکہ سے نہیں لڑے اور نہ ہی امریکہ نے طالبان کو کبھی لڑائی کا چیلنج دیا ہے۔ انہوں نے یہ کہا تھا کہ ہم اسامہ آپ کے حوالے نہیں کریں گے یا اور بات ہوئی تھی وہ اب بھی امریکہ کے خلاف اپنی گراؤنڈ پر resist کر رہے ہیں۔ آپ کو کبھی کوئی پشتون عراق یا فلسطین میں خود کش حملہ کرتا ہوا نظر آتا ہے۔ میری تھیوری یہ ہے کہ طالبان امریکہ سے کبھی نہیں لڑے۔

س: آپ کا مطلب ہے کہ اس وقت طالبان کو جو کامیابیاں مل رہی ہیں اس میں بھی امریکہ کا ہاتھ ہے؟

ج: دیکھئے ہر خفیہ ایجنسی کا Contra Game ہوتا ہے جب امریکہ کے سفارتکاروں کو ایران میں یرغمال بنا لیا گیا تھا تو اس وقت ایران کو اسلحہ بھی امریکہ سے مل رہا تھا۔ ایسے حالات میں کئی دفعہ اپنے جانی دشمن سے بھی رابطہ رکھنا پڑتا ہے۔ امریکہ جانتا ہے کہ طالبان ان کے خلاف نہیں لڑے۔ جنگ میں امریکہ بھی طالبان کو نہیں عرب افراد کو نشانہ بنانا چاہتا تھا۔ اس وجہ سے طالبان کو محاذ جنگ سے واپسی کا محفوظ راستہ دیا گیا تھا۔ امریکہ اگر افغانستان میں امن قائم کرنا چاہتا ہے تو اسے فہیم یا دوستم سے نہیں طالبان کی سیکنڈ یا تھرڈ لائن لوگوں سے معاملات طے کرنے پڑیں گے۔

س: ڈاکٹر صاحب کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کی طالبان سے نہیں طالبان کی قیادت سے لڑائی تھی؟

ج: طالبان کی قیادت سے لڑائی تو ہے لیکن امریکہ کے زیادہ تر نشانہ وہ عرب افراد اور گروپس تھے جو جہاد کی وجہ سے امریکہ کے لئے خوف کی علامت بن چکے تھے۔ امریکہ ان سے خائف تھا۔

س: آپ کے خیال میں کیا افغانستان پر امریکی حملے کا مقصد عرب افراد کو افغانستان سے eliminate کرنا تھا؟

ج: جی ہاں امریکہ کا مقصد اسامہ اور دوسرے عرب افراد کو وہاں سے eliminate کرنا تھا انہیں طالبان سے کوئی مسئلہ نہیں تھا۔

س: گزشتہ انتخابات میں دینی جماعتوں نے خاصی کامیابی حاصل کی آپ کیا سمجھتے ہیں کہ یہ دینی سیاسی جماعتیں ملک میں اسلامائزیشن کے حوالے سے کوئی رول ادا کر سکتی ہیں؟

ج: پاکستان میں اسلامائزیشن کے لئے وہ لوگ کام کر سکتے ہیں جو انتخابی سیاست میں شامل نہیں ہیں۔ اسلامائزیشن کے لئے علماء ہی کوئی رول ادا کر سکتے ہیں۔ ہمارے ہاں دینی رہنما بہت ہیں لیکن علماء نہیں ہیں۔ تو میرے خیال میں قوم کی رہنمائی دینی رہنماؤں کی بجائے علماء اور مفکرین کی ذمہ داری ہے۔ ہماری دینی سیاسی جماعتوں میں چونکہ علماء اور مفکرین موجود نہیں اس لئے یہ جماعتیں دین کی خدمت نہیں کر پا رہی ہیں۔

س: پرائم منسٹر جمالی صاحب کی طرف سے یکطرفہ سیز فائر کا اعلان کیا ہے اور یہ وضاحت خاص طور پر کی گئی ہے کہ اس کا اطلاق سیاچن پر بھی ہو گا کیا یہ پاکستان کے سابقہ موقف سے پسپائی نہیں ہے اور کیا یہ بھارت کے الزامات کو قبول کرنے والی بات نہیں؟

ج: یہ پولیٹیکل سٹنٹ ہے میرے خیال میں یہ چلنے والا نہیں ہے اور اس کا نہ تو کوئی فائدہ پاکستان کو ہو گا اور نہ ہی کشمیری قیادت کے لئے قابل قبول ہو گی اور یہ اقدام بشمول امریکہ کسی کے مفاد میں نہیں جاتا۔

س: رفقاء تنظیم اسلامی اور قارئین ندائے خلافت کے لئے آپ کوئی خاص پیغام دینا چاہیں گے؟

ج: میرا پیغام یہ ہے کہ ہر فرد آنکھیں' کان' دماغ' دل کھلے رکھے۔ ہر ایک کی بات کو سنیں۔ کسی پر اندھا اعتماد اور یقین نہ کریں۔ تقریروں اور بیانات کو خود اپنی عقل سے جانچیں اور پرکھیں۔

غربت کی تباہ کاریاں

جوزف آدم گونڈک کی انگریزی کتاب
Landlords of the World سے ماخوذ

سردار اعوان

Dr. John Linna نے تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے یہ کتاب پوری دنیا کو تبدیل کر سکتی ہے اور یہ دعویٰ شاذ ہی کبھی کسی کتاب کے بارے میں کیا گیا ہوگا (ماسوائے الہامی کتب کے) کتاب کے مصنف کا کہنا ہے کہ اگر آپ کو اپنی آئندہ نسلوں کا کچھ بھی احساس ہے تو اسے ضرور پڑھیں۔ کیا بش اور اس کا جنگی ٹولہ دنیا سے دہشت گردی کا خاتمہ کر سکے گا یا ان کے جانے سے دنیا میں امن و سکون قائم ہو جائے گا۔ کیا پاکستان میں حقیقی جمہوریت آنے سے عوام خوشحال ہو جائیں گے؟ ان کا کہنا ہے کہ چہرے بدلنے سے کبھی کچھ نہیں ہوگا' بدی کا اصل محور مروجہ معاشی نظام ہے' اسے جڑ سے اکھاڑے اور اس کی جگہ منصفانہ اور دیانتدارانہ نظام قائم کئے بغیر قطعاً کچھ نہیں ہوگا لہٰذا جنہیں بھی کچھ خوف خدا ہے' اپنے' اپنی اولاد اور ملک سے ہمدردی ہے اور دیانتداری اور جرأت اور ہمت کا کچھ مادہ موجود ہے وہ ہر حال میں اس جدوجہد میں آگے آئیں اور اس ظالمانہ استحصالی نظام کو جڑ سے اکھاڑ پھینکیں۔ رابرٹ ٹی کینیڈی نے کہا تھا۔ قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے' لوگ مل کر بہت بڑی طاقت بن سکتے ہیں۔

قطرہ قطرہ مل کر دریا بنتا ہے
لوگ مل کر بہت بڑی طاقت بن سکتے ہیں

دہشت گردی کیوں جنم لیتی ہے؟

پوپ جان پال دوم نے 13/ اگست 1993ء میں کولوریڈو میں سیاستدانوں اور کاروباری حضرات کے ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا کہ جہاں ناانصافی' تفریق' سیاسی اور معاشی جبر ہوگا وہاں غصہ' مایوسی اور ناامیدی پیدا ہوگی جو کسی معاشرہ میں تشدد اور عدم رواداری کا باعث بنتی ہے۔ اگر غور کریں تو ان تمام خرابیوں کی اصل جڑ معاشی جبر اور استحصال ہے۔ معیشت حقیقی معنوں میں سائنس نہیں ہے نہ ہی معاشی ماہرین کی ہر بات حرف آخر۔ نام نہاد معاشی ماہرین جو کچھ پیش کرتے ہیں وہ محض سراب ہے جسے حقیقت کا روپ دینے میں میڈیا کا اہم کردار ادا کر رہا ہے۔

ناانصافی' غربت اور اس سے پیدا ہونے والے مسائل

ناانصافی' جبر و استبداد اور غربت کا ہمیشہ سے چولی دامن کا ساتھ رہا ہے۔ ناانصافی کوئی غیر مرئی شے نہیں ہے' معاشرہ کے اندر ہی کچھ لوگ ہوتے ہیں جو دوسروں کی ساتھ ناانصافی کرتے ہیں' یہ وہ لوگ ہیں جو دوسروں کو کمزور اور ناتواں پا کر انہیں غلام بنا لیتے ہیں' انہیں اپنے جیسا انسان تصور نہیں کرتے۔ اسی طرح غربت اس لئے ہوتی ہے کہ بعض لوگ ناجائز طور پر دولت کے مالک بن جاتے ہیں جس کے نتیجہ میں عوام مفلسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ہر مذہب میں مسکینوں اور غریبوں کے ساتھ ہمدردی اور مالی مدد کی ترغیب دلائی گئی ہے اور متمول طبقہ کی خاصی بڑی تعداد اس پر عمل بھی کرتی ہے' مگر جو غربت اور ناانصافی غلط نظام کے باعث جنم لیتی ہے اور عالمی سطح پر کروڑوں انسان اس کی زد میں آتے ہیں اس کا مداوا ذاتی ہمدردی اور امداد سے نہیں ہوتا۔ ذاتی سطح پر کسی ذاتی طور پر ہونے والی حق تلفی اور زیادتی کا ازالہ ہی کہا جا سکتا ہے۔

عالمی سطح پر پائی جانے والی غربت اور مفلسی کا بنیادی سبب قرضوں پر مبنی مروجہ مالیاتی اور بنکاری نظام ہے۔ اس نظام کی موجودگی میں دنیا کی کوئی طاقت ظلم اور جبر کا خاتمہ نہیں کر سکتی' خواہ فرشتے ہی کیوں نہ آ جائیں۔

عوام کی طاقت

مذہبی زعماء اور مخیر حضرات کے کرنے کا اصل کام یہ ہے کہ وہ لوگوں کو صبر سے کام لینے کی تلقین کرنے یا زکوٰۃ و صدقات سے ان کی مالی امداد کرنے کی بجائے انہیں اصل مرض سے آگاہ کریں اور اس سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے جدوجہد پر آمادہ کریں۔ لوگ اگر اس پر آمادہ ہو جائیں تو باہم مل کر دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کسی بھی ملک اور قوم کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ عالمی معاشی غلبہ سے نجات حاصل کرے اور اپنے حالات اور وسائل کے مطابق اپنے مسائل کا حل تلاش کرے۔

غربت کی تباہ کاریاں

غربت کی تمام کیفیات اور حالات کو چند الفاظ میں بیان کرنا ممکن نہیں ہے۔ معاشی استحصال کے ساتھ متعدد خرابیاں وابستہ ہیں جن میں سب سے بڑی خرابی اخلاقی اور روحانی دیوالیہ پن ہے۔ مادہ پرستی اور دولت کے ارتکاز نے انسانیت کا جنازہ نکال دیا ہے۔ غلط نظام تعلیم' غلط افکار و نظریات کی ترویج' ناامیدی' شکست خوردگی وغیرہ تمام اثرات بد غربت کی پیداوار ہیں اور غربت کی جڑ بنیاد موجودہ عالمی مالیاتی استعمار ہے۔

حکومتی ذمہ داری

حکومت کا کام لوگوں کی ضروریات پوری کرنا نہیں' انہیں روزگار کے مساوی مواقع فراہم کرنا عدل کے مطابق فیصلے کرنا اور ان پر عمل درآمد کروانا ہوتا ہے۔ ایک صحت مند شہری کو حلال کی روزی کما کر جو اطمینان اور عزت نفس کا احساس ہوتا ہے وہ خیرات میں ملنے والی امداد سے نہیں ہو سکتا۔ دنیا میں ایسے لوگوں کی کمی نہیں جو اس کا شعور اور تبدیلی کی خواہش رکھتے ہیں مگر تبدیلی لانے کے لئے قربانی دینے کو کوئی تیار نہیں جبکہ قربانی دیئے بغیر کوئی تبدیلی لانا ممکن نہیں۔ لوگ یہ جانتے ہیں کہ غربت اور ناانصافی کی جڑ صرف الہامی ہدایات پر عمل کر کے ہی کاٹی جا سکتی ہے۔ جو تمام انسانوں کے ساتھ نیکی اور محبت کے ساتھ پیش آنے کا درس دیتی ہیں۔ اگر یہ جذبہ بیدار ہو جائے تو انسانوں کے درمیان بھائی چارے اور ہم آہنگی کی فضا پیدا ہو گی اور دولت اور شہرت کی بجائے انسانی قدروں کو فروغ حاصل ہو گا مگر اس کے لئے لازم ہے کہ سب سے پہلے ہم خالق حقیقی کے وفادار بندے بنیں اور اصل محبت اس سے ہو اس کے بغیر انسانوں کے ساتھ محبت کے سارے دعوے جھوٹ پر مبنی ہوں گے۔

غریب اور امیر کے درمیان فاصلہ

دنیا میں ایک طبقہ وہ ہے جو "اشرافیہ" elite کہلاتا ہے یہ طبقہ بڑے بڑے بنکاروں' صنعت کاروں' اجارہ داروں پر مشتمل ہے اور یہی وہ طبقہ ہے جو دنیا کے تمام امور پر حاوی ہے۔ ان میں سے ہر ایک ارب' کھرب پتی ہے۔ ان میں بعض خاندان' مثلاً راتھ شیلڈ 'Rothschilds' صدیوں سے دولت کے مالک ہیں۔ ان سب کے درمیان واحد قدر مشترک معیشت پر تسلط اور عالمی سیاست کی باگ ڈور اپنے ہاتھ میں رکھنا ہے۔ بالفعل پوری دنیا کی قسمت کا مالک یہ طبقہ ہے۔ عوام کی حیثیت کی کاری کی ہے تاہم تعداد اور علم کے اعتبار سے عوام کا پلہ بھاری ہے بشرطیکہ وہ عقل اور فہم سے کام لیں' نیز مشیت ایزدی بھی شامل حال ہو۔ ہمارا تمام توکل اور بھروسہ صرف اللہ پر ہونا چاہئے لیکن کامیابی تبھی نصیب ہوگی جب لوگ اپنی قوت کار اور صلاحیت کو بروئے کار لاتے ہوئے حق کی خاطر میدان میں آئیں

گے۔ محض دعاؤں سے حالات نہیں بدلا کرتے۔

امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ کا اصل سبب.

ایک طرف دولت کے انبار اور دوسری طرف غربت اور مفلسی میں روز افزوں اضافہ کا اصل سبب قرضوں اور کرنسی کا موجودہ نظام ہے، چوٹی کے بنکاروں کے نقطۂ نظر کی رو سے قرضوں پر مبنی کرنسی، جزوی محفوظ رقوم fractical reserves اور سود، دولت اور طاقت کے حصول میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ دولت پیدا ہوتے ہی چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ money یعنی روپیہ، پیسہ دولت کا مظہر ہے، اگر آپ روپیہ خود بنا سکتے ہوں تو دنیا بھر کی دولت آپ کی ملکیت ہو گی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ماہرین معیشت آپ پر کبھی آشکارا نہیں ہونے دیں گے۔ حکومتیں کیا شے ہیں، اصل طاقت ان کے پاس ہے جو دولت کے مالک ہیں، حکومتیں تو ان کی غلام ہیں، صدر بش ہوں یا کسے باشد۔ امریکی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ صدر، طبقہ اشرافیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

بعض اقتصادی اصطلاحات

Macroeconomics بڑی اقتصادیات، کسی قوم یا دنیا کی کل اقتصادیات کو اور چھوٹی اقتصادیات Microeconomics کسی گھر، کمپنی یا محلے وغیرہ کی اکنامکس کو کہا جاتا ہے۔ بڑی اقتصادیات کو سمجھنے کے لئے چھوٹی اکنامکس کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بڑی اقتصادیات اور چھوٹی اقتصادیات میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں۔

ایک کمپنی کی مثال لیتے ہیں جو پنیر تیار کرتی ہے۔ گودام میں موجود پنیر، کاروباری ساکھ، سرمایہ، یہ سب اس کمپنی کا کل سرمایہ اور اثاثہ یعنی

Capital and assets ہیں۔ اسی طرح ایک کسان ہے جس نے اس کمپنی کو دودھ فراہم کرنے کے لئے گائے بھینس پال رکھی ہیں، فیکٹری کی گاڑی کے آنے تک دودھ کو بحفاظت رکھنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ وغیرہ۔ دودھ سے تیار شدہ پنیر کی مقدار کی مناسبت سے کسان کو دودھ کے عوض پنیر دینے کے بجائے کمپنی کسان کو پنیر کی اتنی مقدار کی رسید دے دیتی ہے۔ کمپنی کی مارکیٹ میں ساکھ کی بنیاد پر یہ رسیدیں لوگوں کے آپس میں لین دین کے لئے استعمال ہونے لگتی ہیں۔ ہر دفعہ کمپنی کے پاس جانے کی بجائے لوگ ضرورت کے تحت آپس میں ان رسیدوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ گویا ایک کسان نے زمین، مویشیوں، روپیہ پیسہ اور محنت وغیرہ صرف کر کے جو دودھ فیکٹری کو پنیر بنانے کے لئے فراہم کیا اس کے عوض میں فیکٹری نے کسان کو پنیر کی مقدار کے برابر رسید جاری کر دی۔ یہ صاف ستھرا، سیدھا، سادہ کاروبار ہے۔ چنانچہ یہ رسیدیں ایک ایسے medium of exchange کے طور پر استعمال ہونے لگیں جس میں نہ inflation، نہ depreciation یعنی کسی کمی بیشی کا خدشہ نہیں۔ اتنا دودھ فراہم کرنے پر اتنا پنیر ملے گا، یہ اشیاء کے تبادلہ کا مستحکم Stable اور سچا honest معاملہ ہے۔ اسی طرح رسیدیں کمپنی کی liability اور کسان کا credit ہیں اور چونکہ حقیقی پیداوار کا بدل ہیں اس لئے ان رسیدات کا لین دین میں استعمال براہ راست اشیاء کے تبادلہ یعنی barter economy سے اگلا قدم ہے۔ اس سے اگلا قدم سونے، چاندی کا بطور medium of exchange استعمال تھا، مگر اس کا نقصان یہ ہوا کہ ہوشیار قسم کے ساہوکاروں نے سونا چاندی جمع کر کے اس پر کنٹرول حاصل کر لیا جو پوری معیشت پر کنٹرول کے مترادف تھا۔ اس کے برعکس آج جو money یعنی روپیہ ہم استعمال کرتے ہیں جتنا یہ سادہ اور آسان نظر آتا ہے، اتنا ہی آسانی سے وہ امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے پنیر فیکٹری کی جاری کردہ رسیدوں کے ساتھ ساتھ کوئی شخص جعلی رسیدیں جاری کرنے کا دھندا شروع کر دے۔ بہ ظاہر تو اس سے دولت کی بڑی ریل پیل نظر آئے گی لیکن حقیقت میں یہ لوگوں کی محنت کی کمائی پر ڈاکہ ہے، یعنی پہلے فرض کریں اگر رسید کی قیمت 10 کلو پنیر کے برابر تھی، اب اس کی قیمت 5 کلو یا اس سے کم ہو گئی، کیونکہ ایک اصلی کے ساتھ ایک نقلی رسید بھی مارکیٹ میں شامل ہو گئی، جبکہ نقلی رسید جاری کرنے والے شخص کا فائدہ ہی فائدہ ہے لیکن تابہ کے، پنیر بنانے والے قیمت بڑھاتے بڑھاتے بالآخر دیوالیہ ہو جائیں گے اسے ہم کہیں گے کہ فلاں depression, economy میں ہے۔ یعنی کساد بازاری کا شکار ہے۔ مذکورہ مثال سے درج ذیل اصول معین ہوتے ہیں:

1) کسی بھی اقتصادیات کی بنیاد دولت، اشیاء اور خدمات کا باہم تبادلہ ہے۔

2) روپیہ کی حیثیت medium of exchange کی ہے، نہ کہ commodity کی

3) صحت مند معیشت کا انحصار اس پر ہے کہ روپیہ کی اصل حیثیت برقرار رہے۔ دولت، ساز و سامان اور خدمات کی قدر و قیمت ظاہر کرنے کے لئے کوئی بھی ایسی چیز روپیہ کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے جسے لوگ قبول کر لیں۔

4) ایسا روپیہ جو کسی حقیقی مال و اسباب، خدمات یا دولت کا بدل نہیں، دھوکہ ہے۔ کسی معیشت میں اشیاء کی اصل مالیت سے زائد روپیہ گردش میں ہوگا تو inflation اور کم ہوگا تو recession کا ہوگا۔

5) دیکھنے میں اصلی اور نقلی روپیہ میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کیسے اور کہاں سے آیا ہے، مگر ''اقتصادی ماہرین'' جو سرمایہ دار طبقہ کے کارندوں پر مشتمل ہیں۔ آپ کو کبھی اس بات کی ہوا نہیں لگنے دیں گے کہ جو روپیہ گردش میں ہے یہ کیسے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ روپیہ سرمایہ دار اور بنکار خود بناتے ہیں۔ لہٰذا اصل طاقت کے مالک چند بڑے بنکار ہیں، نہ کہ حکومتیں ـــ حکومتیں بے چاری تو ان سرمایہ داروں کی زیر نگیں اور آلۂ کار ہوتی ہیں۔ پیسہ پرائیویٹ بنک پیدا کرتے ہیں لیکن ٹیکس حکومتیں لگاتی ہیں، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنکوں کے پاس کونسی قابل قدر شے ہے جو ان کرنسی نوٹوں کا بدل ہے؟ کوئی شے بھی نہیں، ہمارے پاس جو نوٹ ہیں وہ قطعاً حقیقی روپیہ نہیں، یہ درحقیقت وہ آلہ ہے جس سے کبھی افراط زر Inflation اور کبھی مندی depression کا رجحان پیدا کر کے قوموں کی دولت لوٹی جاتی ہے۔ پیداواری شعبہ موافق حالات میں جو مال پیدا کرتا ہے ''عالمی جاگیردار'' روپیہ کی فراہمی روک کر وہاں مندے کا رجحان پیدا کرتے ہیں اور اونے پونے وہ مال ہتھیا لیتے ہیں۔ اپنے مقامی بنکوں کو اس پر قیاس نہ کیجئے یہ تو ان چند عالمی جاگیرداروں کے محض کارکن ہیں IMF اور ورلڈ بنک اصل مالکان ہیں۔

کوئی بھی شے جو آسانی سے تقسیم کی جا سکتی ہو اور Count کی جا سکتی ہو۔ جس سے پیداوار یا خدمات کی قدر کا تعین کیا جا سکتا ہو، honest money یعنی حقیقی روپیہ پیسہ کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے، چنانچہ تانبہ، چاندی، سونا، ہیرے جواہرات یا کاغذ کا ایک ٹکڑا، کوئی بھی شے روپیہ کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے، یعنی اس شے کا قیمتی ہونا لازم نہیں بلکہ اب تو کاغذی نوٹ بھی ضروری نہیں رہا۔ کروڑوں ڈالر روزانہ برقیاتی ذریعہ سے یعنی electronically دنیا میں ایک سے دوسری جگہ منتقل کئے جاتے ہیں، صرف ہندسے جمع یا تفریق ہو جاتے ہیں، اگر بعض لازمی شرائط ملحوظ رکھی جائیں تو یہ سب جائز طریقے ہیں۔

دولت اور حکمرانی کا لالچ دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے لیکن موجودہ دور میں اس نے انتہائی شدت اور وسعت اختیار کر لی ہے۔ دنیا پر تسلط قائم کرنے کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ تمام ذرائع پیداوار پر تسلط قائم کر لیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مال خواہ کوئی پیدا کرے، روپیہ ہم بنائیں۔ جب روپیہ اور پیداوار کی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہو تو یہ سراسر دھوکہ اور فراڈ ہے۔ یہ سادہ سی بات لوگوں کے ذہن میں اس لئے نہیں آتی کہ عالمی جاگیرداروں نے میڈیا کے ذریعے لوگوں کے اذہان بھی اپنے قابو میں کر لئے ہیں۔ کہیں جنگ ہوتی ہے تو ان کی مرضی سے، کسی ملک پر پابندی عائد ہوتی ہے تو ان کے اشارہ پر، کہیں حکومت بنتی ہے یا ٹوٹتی ہے تو ان کے حکم پر، کیسے قوانین ہوں، کیسی تعلیم دی جائے، کس کو جیل بھیجا جائے، کسے رہا کیا جائے، فحاشی و عریانی، دہشت گردی وغیرہ کو پروان چڑھانا سب اس طبقہ کی حکمت عملی کا حصہ ہیں۔

جاری ہے

رسومات

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر، ناظم دعوت، تنظیم اسلامی، پاکستان

مسلمان کی زندگی میں معاشرت کو مکروہات سے پاک کرنے اور سنت رسول ﷺ، سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ سے قریب تر کرنے کے لئے جو مسلسل کوشش فرض قرار دی گئی ہے اس کے حوالے سے مندرجہ ذیل رسومات کے موقع پر سنت رسول ﷺ و سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ کو واضح کیا جا رہا ہے تاکہ ہر مسلمان اس کے علاوہ باقی رسومات سے کلی اجتناب کرے۔ یہ جان لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں عمل کر کے سنت نہ چھوڑی ہو کیونکہ آپ نے بھرپور زندگی گزاری ہے اور ہر پہلو میں ہدایات دیں ہیں کیونکہ بعد میں کوئی نبی نہ آنے والا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ

مَا ابْتَدَاعَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ السُّنَّةِ مِثْلَهَا (مسند احمد)

جب بھی لوگ کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ویسی ایک سنت ان سے چھین لیتے ہیں۔

1۔ پیدائش

اس موقع پر آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بچہ کے لئے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے۔ اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔ عقیقہ کی رسم عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔ بکری کو ذبح کر کے اس کا خون نومولود کے سر پر ملتے تھے۔ آپ نے اس کی جگہ حلق کے بعد زعفران یا کوئی اور خوشبو ملنے کا رواج دیا۔ عرب صرف لڑکوں کے لئے عقیقہ کرتے تھے آپ نے لڑکیوں کے لئے بھی اسے رواج دیا ہے۔ عقیقہ ایک ایک بکری کا بھی جائز ہے لیکن اگر وسعت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ بکری ذبح کرنے کے بعد سر منڈوانا گویا حج کی سنت قربانی سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ جانور کی قربانی اگرچہ صدقہ ہے اور صدقے کے حقدار غرباء و مساکین ہوتے ہیں لیکن اس صدقہ میں سے خود بھی اور اپنے اعزہ واقارب کو کھلانے کی رخصت آنحضور ﷺ نے فرمائی ہے۔ نوٹ: اگر استطاعت نہ ہو تو قرض وغیرہ لے کر جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اصل میں بچے کے نسب کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکرانہ جس نے اولاد عطا کی ہے۔

2۔ ختنہ

یہ ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جن کو آنحضور ﷺ نے فطرت قرار دیا ہے۔ مثلاً استرا لینا، ختنہ کروانا، مونچھیں کتروانا، بغل کے بال لینا اور ناخن کٹوانا۔ ختنہ سات سال کی عمر تک ہو جانا چاہئے اس موقع پر کوئی دعوت مسنون نہیں ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَعٰی عُثْمَانُ بْنُ اَبِی الْعَاصِ اِلٰی خِتَانٍ فَاَبٰی اَنْ یُّجِیْبَ فَقِیْلَ لَهُ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا لَا نَاتِی الْخِتَانَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا نُدْعٰی لَهُ (مسند احمد)

حضرت حسن کو عثمان بن ابوالعاص نے ختنہ کے موقع پر بلایا تو انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان سے اس پر بات کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ختنہ پر نہ آیا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دعوت دیا کرتے تھے۔

3۔ شادی بیاہ:

☆ منگنی کے موقع پر تبادلہ ہدایا وغیرہ صحیح نہیں ہے بلکہ صرف زبانی یا بذریعہ خط وکتابت معاملہ طے کر لینا چاہئے۔ فرمان نبوی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے مطابق کہ آپ نے فرمایا: اَظْهِرُ النِّکَاحَ وَاَخْفُو الْخِطْبَةَ (نکاح علی الاعلان کرو اور منگنی کو چھپاؤ) یعنی اس پر کوئی تقریب منعقد نہ کرو۔ مہمانوں کو ٹھہرانے کے انتظامات نہ کرنے پڑیں۔

☆ عقدۃ النکاح: آج کل کے حالات میں اولیٰ یہ ہے کہ محفلِ نکاح مسجد میں منعقد کی جائے تاکہ اعلانِ عام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کیونکہ نماز پر اہلِ محلہ موجود ہی ہوں گے۔

☆ برات کے عجمی رواج کو ختم کیا جائے اور لڑکی والوں کے ہاں دعوت کے غیر مسنون طریقہ کار کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ مہر حسب حیثیت اوسط درجے کا ہو اور اس کی ادائیگی ضرور ہو۔ اس موقع پر نیوترا/ تبادلہ ہدایا وتحائف سے اجتناب کیا جائے۔ جہیز کی رسم اور اس کی وجہ سے لڑکیوں کو نکاح سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن لڑکیوں کا نکاح اس وجہ سے نہ کرنا کہ ایسا رشتہ نہ مل رہا جہاں جہیز نہ دینا پڑے، بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر جہیز کے بغیر رشتہ نہ مل رہا ہو تو کم از کم اس کی نمائش نہ ہو اور اس کی ادائیگی نکاح سے مقدم یا مؤخر کر لی جائے۔ (یہ بات بہرصورت سامنے رہنی چاہئے کہ یہ کوئی مسنون رسم نہیں ہے بلکہ ہندوانہ رسومات میں سے ہے اور یہ لڑکی کے حق وراثت کا بدل نہیں ہے۔

☆ دعوت ولیمہ مسنون ہے اور ضرور ہونی چاہئے لیکن اس میں نمود ونمائش/ تبذیر یا اظہار فخر کے لئے مبالغہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس رسم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

اَوْلِمُوْ وَلَوْ بِشَاةٍ ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری کا اور فرمایا اِذَا اُدْعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَةِ فَلْیَاتِهَا جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت پر بلایا جائے تو اسے ضرور جانا چاہئے۔ یاد رہے کہ اس دور میں بکری یا مینڈا قربانی کے لئے ایک دینار میں مل جاتا تھا کھانے کا اہتمام ایسے نہ ہو جیسے جانوروں کو کھلایا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے یہ نہ ہو کہ جانوروں کی طرح کھرلی میں ڈال دیا اور ان کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس سے بچا جائے کہ ایسے کھانا کھایا جائے جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ:

سَیَکُوْنُ قَوْمٌ یَاْکُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْاَرْضِ (رواہ احمد عن سعدؓ)

عنقریب ایسے لوگ آئیں گے وہ اپنی زبانوں سے کھائیں گے جیسے کہ گائے زمین سے اپنی زبان سے کھاتی ہے۔

نوٹ: رفقاء سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں اعلیٰ اقدار ملحوظ رکھیں گے اور مثالیں قائم کریں گے۔

4۔ فوتیدگی

ہمارے ہاں پیدائش اور نکاح کی رسومات تو ابھی تک معاشرتی روابط ہی کے طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن فوتیدگی کی بعض رسومات کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا

گے۔ محض دعاؤں سے حالات نہیں بدلا کرتے۔

امیر اور غریب کے درمیان فاصلہ کا اصل سبب

ایک طرف دولت کے انبار اور دوسری طرف غربت اور مفلسی میں روز افزوں اضافہ کا اصل سبب قرضوں اور کرنسی کا موجودہ نظام ہے' چوٹی کے بنکاروں کے نقطۂ نظر کی رو سے قرضوں پر مبنی کرنسی' جزوی محفوظ رقوم fractical reserves اور سود' دولت اور طاقت کے حصول میں بنیادی اہمیت کے حامل ہیں۔ یہ وہ آلات ہیں جن کے ذریعہ دولت پیدا ہوتے ہی چند ہاتھوں میں مرتکز ہو جاتی ہے۔ money یعنی روپیہ' پیسہ دولت کا مظہر ہے' اگر آپ روپیہ خود بنا سکتے ہوں تو دنیا بھر کی دولت آپ کی ملکیت ہو گی۔ یہ وہ حقیقت ہے جو ماہرین معیشت آپ پر کبھی آشکارا نہیں ہونے دیں گے۔ حکومتیں کیا شے ہیں' اصل طاقت ان کے پاس ہے جو دولت کے مالک ہیں' حکومتیں تو ان کی غلام ہیں' صدر بش ہوں یا کسے باشد۔ امریکی تاریخ اس کی گواہ ہے کہ صدر' طبقہ اشرافیہ کا نمائندہ ہوتا ہے۔

بعض اقتصادی اصطلاحات

Macroeconomics بڑی اقتصادیات' کسی قوم یا دنیا کی کل اقتصادیات کو اور چھوٹی اقتصادیات Microeconomics کسی گھر' کمپنی یا محلے وغیرہ کی اکنامکس کو کہا جاتا ہے۔ بڑی اقتصادیات کو سمجھنے کے لئے چھوٹی اکنامکس کو سمجھنا ضروری ہے کیونکہ بڑی اقتصادیات اور چھوٹی اقتصادیات میں بنیادی طور پر کوئی فرق نہیں۔

ایک کمپنی کی مثال لیتے ہیں جو پنیر تیار کرتی ہے۔ گودام میں موجود پنیر' کاروباری ساکھ' سرمایہ' یہ سب اس کمپنی کا کل سرمایہ اور اثاثہ یعنی

Capital and assets ہیں۔ اسی طرح ایک کسان ہے جس نے اس کمپنی کو دودھ فراہم کرنے کے لئے گائے بھینس پال رکھی ہیں' فیکٹری کی گاڑی کے آنے تک دودھ کو بحفاظت رکھنے کا بندوبست کر رکھا ہے۔ وغیرہ۔ دودھ سے تیار شدہ پنیر کی مقدار کی مناسبت سے کسان کو دودھ کے عوض پنیر دینے کے بجائے کمپنی کسان کو پنیر کی اتنی مقدار کی رسید دے دیتی ہے۔ کمپنی کی مارکیٹ میں ساکھ کی بنیاد پر یہ رسیدیں لوگوں کے آپس میں لین دین کے لئے استعمال ہونے لگتی ہیں۔ ہر دفعہ کمپنی کے پاس جانے کی بجائے لوگ ضرورت کے تحت آپس میں ان رسیدوں کا تبادلہ کر لیتے ہیں۔ گویا ایک کسان نے زمین' مویشیوں' روپیہ پیسہ اور محنت وغیرہ صرف کر کے جو دودھ فیکٹری کو پنیر بنانے کے لئے فراہم کیا اس کے عوض میں فیکٹری نے کسان کو پنیر کی مقدار کے برابر رسید جاری کر دی۔ یہ صاف ستھرا' سیدھا' سادہ کاروبار ہے۔ چنانچہ یہ رسیدیں ایک ایسے medium of exchange کے طور پر استعمال ہونے لگیں جس میں نہ inflation' نہ depreciation یعنی کسی کمی بیشی کا خدشہ نہیں۔ اتنا دودھ فراہم کرنے پر اتنا پنیر ملے گا' یہ اشیاء کے تبادلہ کا مستحکم Stable اور سچا honest معاملہ ہے۔ اسی طرح رسیدیں کمپنی کی liability اور کسان کا credit ہیں اور چونکہ حقیقی پیداوار کا بدل ہیں اس لئے ان رسیدات کا لین دین میں استعمال براہ راست اشیاء کے تبادلہ یعنی barter economy سے اگلا قدم ہے۔ اس سے اگلا قدم سونے چاندی کا بطور medium of exchange استعمال تھا' مگر اس کا نقصان یہ ہوا کہ ہوشیار قسم کے ساہوکاروں نے سونا چاندی جمع کر کے اس پر کنٹرول حاصل کر لیا جو پوری معیشت پر کنٹرول کے مترادف تھا۔ اس کے برعکس آج جو money یعنی روپیہ ہم استعمال کرتے ہیں جتنا یہ سادہ اور آسان نظر آتا ہے' اتنا ہی آسانی سے وہ امیر کو زیادہ امیر اور غریب کو زیادہ غریب کرتا چلا جاتا ہے۔ یہ ایسا ہی ہے جیسے پنیر فیکٹری کی جاری کردہ رسیدوں کے ساتھ ساتھ کوئی شخص جعلی رسیدیں جاری کرنے کا دھندا شروع کر دے۔ بہ ظاہر تو اس سے دولت کی بڑی ریل پیل نظر آئے گی لیکن حقیقت میں یہ لوگوں کی محنت کی کمائی پر ڈاکہ ہے' یعنی پہلے فرض کریں اگر رسید کی قیمت **10** کلو پنیر کے برابر تھی' اب اس کی قیمت **5** کلو یا اس سے کم ہو گئی' کیونکہ ایک اصلی کے ساتھ ایک نقلی رسید بھی مارکیٹ میں شامل ہو گئی' جبکہ نقلی رسید جاری کرنے والے شخص کا فائدہ ہی فائدہ ہے لیکن تابہ کے' پنیر بنانے والے قیمت بڑھاتے بڑھاتے بالآخر دیوالیہ ہو جائیں گے اسے ہم کہیں گے کہ فلاں economy depression, میں ہے۔ یعنی کساد بازاری کا شکار ہے۔ مذکورہ مثال سے درج ذیل اصول معین ہوتے ہیں:

1) کسی بھی اقتصادیات کی بنیاد دولت' اشیاء اور خدمات کا باہم تبادلہ ہے۔

2) روپیہ کی حیثیت medium of exchange کی ہے' نہ کہ commodity کی

3) صحت مند معیشت کا انحصار اس پر ہے کہ روپیہ کی اصل حیثیت برقرار رہے۔ دولت' ساز و سامان اور خدمات کی قدر و قیمت ظاہر کرنے کے لئے کوئی بھی ایسی چیز روپیہ کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے جسے لوگ قبول کر لیں۔

4) ایسا روپیہ جو کسی حقیقی مال و اسباب' خدمات یا دولت کا بدل نہیں' دھوکہ ہے۔ کسی معیشت میں اشیاء کی اصل مالیت سے زائد روپیہ گردش میں ہوگا تو inflation اور کم ہوگا تو recession کا ہوگا۔

5) دیکھنے میں اصلی اور نقلی روپیہ میں امتیاز نہیں کیا جا سکتا جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ یہ کیسے اور کہاں سے آیا ہے' مگر ''اقتصادی ماہرین'' جو سرمایہ دار طبقہ کے کارندوں پر مشتمل ہیں۔ آپ کو کبھی اس بات کی ہوا نہیں لگنے دیں گے کہ جو روپیہ گردش میں ہے یہ کیسے بنایا گیا ہے۔ کیونکہ روپیہ سرمایہ دار اور بنکار خود بناتے ہیں۔ لہٰذا اصل طاقت کے مالک چند بڑے بنکار ہیں' نہ کہ حکومتیں ــــ حکومتیں بے چاری تو ان سرمایہ داروں کی زیرنگیں اور آلۂ کار ہوتی ہیں۔ پیسہ پرائیویٹ بنک پیدا کرتے ہیں لیکن ٹیکس حکومتیں لگاتی ہیں' لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ بنکوں کے پاس کونسی قابل قدر شے ہے جو ان کرنسی نوٹوں کا بدل ہے؟ کوئی شے بھی نہیں' ہمارے پاس جو نوٹ ہیں وہ قطعاً حقیقی روپیہ نہیں' یہ درحقیقت وہ آلہ ہے جس سے کبھی افراط زر Inflation اور کبھی مندی depression کا رجحان پیدا کر کے قوموں کی دولت لوٹی جاتی ہے۔ پیداواری شعبہ موافق حالات میں جو مال پیدا کرتا ہے ''عالمی جاگیردار'' روپیہ کی فراہمی روک کر وہاں مندے کا رجحان پیدا کرتے ہیں اور اونے پونے وہ مال ہتھیا لیتے ہیں۔ اپنے مقامی بنکوں کو اس پر قیاس نہ کیجئے یہ تو ان چند عالمی جاگیرداروں کے محض کارکن ہیں IMF اور ورلڈ بنک اصل مالکان ہیں۔

کوئی بھی شے جو آسانی سے تقسیم کی جا سکتی ہو اور Count کی جا سکتی ہو۔ جس سے پیداوار یا خدمات کی قدر کا تعین کیا جا سکتا ہو' honest money یعنی حقیقی روپیہ پیسہ کے طور پر استعمال کی جا سکتی ہے' چنانچہ تانبہ' چاندی' سونا' ہیرے جواہرات یا کاغذ کا ایک ٹکڑا' کوئی بھی شے روپیہ کے طور پر استعمال ہو سکتی ہے' یعنی اس شے کا قیمتی ہونا لازم نہیں بلکہ اب تو کاغذی نوٹ بھی ضروری نہیں رہا۔ کروڑوں ڈالر روزانہ برقیاتی ذریعہ سے یعنی electronically دنیا میں ایک سے دوسری جگہ منتقل کئے جاتے ہیں' صرف ہندسے جمع یا تفریق ہو جاتے ہیں' اگر بعض لازمی شرائط ملحوظ رکھی جائیں تو یہ سب جائز طریقے ہیں۔

دولت اور حکمرانی کا لالچ دنیا میں ہمیشہ سے رہا ہے لیکن موجودہ دور میں اس نے انتہائی شدت اور وسعت اختیار کر لی ہے۔ دنیا پر تسلط قائم کرنے کا تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ تمام ذرائع پیداوار پر تسلط قائم کر لیا جائے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ مال خواہ کوئی پیدا کرے' روپیہ ہم بنائیں۔ جب روپیہ اور پیداوار کی ایک دوسرے کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہو تو یہ سراسر دھوکہ اور فراڈ ہے۔ یہ سادہ سی بات لوگوں کے ذہن میں اس لئے نہیں آتی کہ عالمی جاگیرداروں نے میڈیا کے ذریعے لوگوں کے اذہان بھی اپنے قابو میں کر لئے ہیں۔ کہیں جنگ ہوتی ہے تو ان کی مرضی سے' کسی ملک پر پابندی عائد ہوتی ہے تو ان کے اشارہ پر' کہیں حکومت بنتی ہے یا ٹوٹتی ہے تو ان کے حکم پر' کیسے قوانین ہوں' کیسی تعلیم دی جائے' کس کو جیل بھیجا جائے' کسے رہا کیا جائے' فحاشی و عریانی' دہشت گردی وغیرہ کو پروان چڑھانا سب اس طبقہ کی حکمت عملی کا حصہ ہیں۔

جاری ہے

رسومات

تحریر: جناب رحمت اللہ بٹر' ناظم دعوت' تنظیم اسلامی' پاکستان

مسلمان کی زندگی میں معاشرت کو مکروہات سے پاک کرنے اور سنت رسول ﷺ' سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ سے قریب تر کرنے کے لئے جو مسلسل کوشش فرض قرار دی گئی ہے اس کے حوالے سے مندرجہ ذیل رسومات کے موقع پر سنت رسول ﷺ و سنت خلفاء راشدین اور تعامل صحابہؓ کو واضح کیا جا رہا ہے تا کہ ہر مسلمان اس کے علاوہ باقی رسومات سے کلی اجتناب کرے۔ یہ جان لینا چاہئے کہ نبی اکرم ﷺ نے زندگی کا کوئی گوشہ ایسا نہیں چھوڑا جہاں عمل کر کے سنت نہ چھوڑی ہو کیونکہ آپؐ نے بھرپور زندگی گزاری ہے اور ہر پہلو میں ہدایات دیں ہیں کیونکہ بعد میں کوئی نبی نہ آنے والا تھا اور یہ حقیقت ہے کہ

مَا ابْتَدَاعَ قَوْمٌ بِدْعَةً اِلَّا نَزَعَ اللّٰهُ عَنْهُمْ مِنَ السُّنَّةِ مِثْلَهَا (مسند احمد)

جب بھی لوگ کوئی بدعت ایجاد کرتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ویسی ایک سنت ان سے چھین لیتے ہیں۔

1۔ پیدائش

اس موقع پر آنحضور ﷺ کا فرمان ہے کہ بچہ کے لئے ساتویں دن جانور ذبح کیا جائے۔ اس کا سر منڈوایا جائے اور نام رکھا جائے۔ عقیقہ کی رسم عربوں میں زمانہ جاہلیت میں بھی تھی۔ بکری کو ذبح کر کے اس کا خون نومولود کے سر پر ملتے تھے۔ آپ نے اس کی جگہ حلق کے بعد زعفران یا کوئی اور خوشبو ملنے کا رواج دیا۔ عرب صرف لڑکوں کے لئے عقیقہ کرتے تھے آپ نے لڑکیوں کے لئے بھی اسے رواج دیا ہے۔ عقیقہ ایک ایک بکری کا بھی جائز ہے لیکن اگر وسعت ہو تو لڑکے کے لئے دو بکریاں ذبح کی جائیں۔ بکری ذبح کرنے کے بعد سر منڈوانا گویا حج کی سنت قربانی سے مشابہ ہو جاتا ہے۔ بالوں کے ہم وزن چاندی صدقہ کی جائے۔ جانور کی قربانی اگرچہ صدقہ ہے اور صدقے کے حقدار غرباء و مساکین ہوتے ہیں لیکن اس صدقہ میں سے خود بھی اور اپنے اعزہ و اقارب کو کھلانے کی رخصت آنحضور ﷺ نے فرمائی ہے۔ نوٹ: اگر استطاعت نہ ہو تو قرض وغیرہ لے کر جانور ذبح کرنا ضروری نہیں ہے۔ یہ اصل میں بچے کے نسب کا اعلان ہے اور اللہ تعالیٰ کی جناب میں شکرانہ جس نے اولاد عطا کی ہے۔

2۔ ختنہ

یہ ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جن کو آنحضور ﷺ نے فطرت قرار دیا ہے۔ مثلاً استرا لینا' ختنہ کروانا' مونچھیں کتروانا' بغل کے بال لینا اور ناخن کٹوانا۔ ختنہ سات سال کی عمر تک ہو جانا چاہئے اس موقع پر کوئی دعوت مسنون نہیں ہے۔

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ دَعٰی عُثْمَانُ بْنُ اَبِی الْعَاصِ اِلٰی خِتَانٍ فَاَبٰی اَنْ یُّجِیْبَ فَقِیْلَ لَهٗ فَقَالَ اِنَّا کُنَّا لَا نَاْتِی الْخِتَانَ عَلٰی عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَلَا نُدْعٰی لَهٗ (مسند احمد)

حضرت حسن کو عثمان بن ابو العاص نے ختنہ کے موقع پر بلایا تو انہوں نے دعوت قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان سے اس پر بات کی گئی تو انہوں نے کہا کہ ہم رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ختنہ پر نہ آیا کرتے تھے اور نہ ہی کوئی دعوت دیا کرتے تھے۔

3۔ شادی بیاہ:

☆ منگنی کے موقع پر تبادلہ ہدایا وغیرہ صحیح نہیں ہے بلکہ صرف زبانی یا بذریعہ خط و کتابت معاملہ طے کر لینا چاہئے۔ فرمان نبوی عَلٰی صَاحِبِهَا الصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ کے مطابق کہ آپ نے فرمایا: اَظْهِرُ النِّکَاحَ وَاَخْفُو الْخِطْبَةَ (نکاح علی الاعلان کرو اور منگنی کو چھپاؤ) یعنی اس پر کوئی تقریب منعقد نہ کرو۔ مہمانوں کو ٹھہرانے کے انتظامات نہ کرنے پڑیں۔

☆ عقدۃ النکاح: آج کل کے حالات میں اولیٰ یہ ہے کہ محفلِ نکاح مسجد میں منعقد کی جائے تا کہ اعلانِ عام کا تقاضا بھی پورا ہو جائے کیونکہ نماز پر اہلِ محلّہ موجود ہی ہوں گے۔

☆ برات کے عجمی رواج کو ختم کیا جائے اور لڑکی والوں کے ہاں دعوت کے غیر مسنون طریقہ کار کا خاتمہ کیا جائے۔

☆ مہر حسب حیثیت اوسط درجے کا ہو اور اس کی ادائیگی ضرور ہو۔ اس موقع پر نیوتر / تبادلہ ہدایا و تحائف سے اجتناب کیا جائے۔ جہیز کی رسم اور اس کی وجہ سے لڑکیوں کو نکاح سے روکے رکھنا جائز نہیں ہے۔ لیکن لڑکیوں کا نکاح اس وجہ سے نہ کرنا کہ ایسا رشتہ نہ مل رہا جہاں جہیز نہ دینا پڑے' بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر جہیز کے بغیر رشتہ نہ مل رہا ہو تو کم از کم اس کی نمائش نہ ہو اور اس کی ادائیگی نکاح سے مقدم یا مؤخر کر لی جائے۔ (یہ بات بہر صورت سامنے رہنی چاہئے کہ یہ کوئی مسنون رسم نہیں ہے بلکہ ہندوانہ رسومات میں سے ہے اور یہ لڑکی کے حق وراثت کا بدل نہیں ہے۔

☆ دعوت ولیمہ مسنون ہے اور ضرور ہونی چاہئے لیکن اس میں نمود و نمائش / تبذیر یا اظہار فخر کے لئے مبالغہ ٹھیک نہیں ہے۔ اس رسم کے لئے رسول اللہ ﷺ کی تاکید موجود ہے۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

اَوْلِمُوْ وَلَوْ بِشَاةٍ ولیمہ ضرور کرو خواہ ایک بکری کا

اور فرمایا اِذَا اُدْعِیَ اَحَدُکُمْ اِلَی الْوَلِیْمَةِ فَلْیَاْتِهَا جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت پر بلایا جائے تو اسے ضرور جانا چاہئے۔ یاد رہے کہ اس دور میں بکری یا مینڈا قربانی کے لئے ایک دینار میں مل جاتا تھا کھانے کا اہتمام ایسے نہ ہو جیسے جانوروں کو کھلایا جاتا ہے بلکہ بیٹھ کر کھانے کا بندوبست ہونا چاہئے یہ نہ ہو کہ جانوروں کی طرح کھرلی میں ڈال دیا اور ان کو چھوڑ دیا۔ یعنی اس سے بچا جائے کہ ایسے کھانا کھایا جائے جیسے چوپائے کھاتے ہیں۔ ایک دوسری حدیث میں ذکر ہے کہ ایک زمانہ آئے گا کہ:

سَیَکُوْنُ قَوْمٌ یَاْکُلُوْنَ بِاَلْسِنَتِهِمْ کَمَا تَاْکُلُ الْبَقَرُ مِنَ الْاَرْضِ (رواہ احمد عن سعدؓ)

عنقریب ایسے لوگ آئیں گے وہ اپنی زبانوں سے کھائیں گے جیسے کہ گائے زمین سے اپنی زبان سے کھاتی ہے۔

نوٹ: رفقاء سے توقع ہے کہ اس سلسلے میں اعلیٰ اقدار ملحوظ رکھیں گے اور مثالیں قائم کریں گے۔

4۔ فوتیدگی

ہمارے ہاں پیدائش اور نکاح کی رسومات تو ابھی تک معاشرتی روابط ہی کے طور پر ادا کی جاتی ہیں لیکن فوتیدگی کی بعض رسومات کو مذہب کا لبادہ اوڑھا دیا گیا

ہے۔ اب اصل مذہب یہی رسومات بن گئی ہیں۔ اس لئے ان سے اجتناب بہت ضروری ہو گیا ہے اور جو رسومات مطلوب ہیں ان سے آگاہی حاصل کرنا لازم ہے۔ وہ یہ ہیں:

☆ تدفین کا انتظام جلد از جلد کیا جائے کیونکہ آنحضور ﷺ نے جن تین کاموں کو جلد از جلد کرنے کا حکم دیا ہے ان میں سے ایک تدفین ہے۔ آنحضورؐ نے فرمایا نماز کا جب وقت ہو جائے' لڑکی جب بالغ ہو جائے اور جنازہ جب تیار ہو جائے تو دیر درست نہیں ہے۔

☆ میت کے لئے دعا مغفرت کی غرض سے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت کی جائے۔ اصل اجتماعی دعا نماز جنازہ ہے جو ساری کی ساری دعا ہی ہے۔ حد یہ ہو گئی ہے کہ مسلمانوں کو یہ دعا بھی یاد نہیں ہوتی کہ کسی کے لئے دعا کر سکیں اور اس کوتاہی کو بعد میں دعائیں کر کے پورا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

☆ مرنے والے کے عزیزوں سے تعزیت کرنا اور صبر کی تلقین کرنا چاہئے کیونکہ نبی اکرم ﷺ ایسے موقعوں پر ان الفاظ میں تعزیت کرتے تھے ''جو کچھ ہے اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہی کے لئے ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کی معیاد معین کر رکھی ہے۔!''

☆ میت پر سوگ سے مراد تین دن تک کوئی خوشی کا کام نہ کرنا ہے۔ اس کے لئے رسمی نشست کا اہتمام کرنا جائز نہیں ہے۔ اگرچہ معمول کے مطابق تین دن تک گھر میں رہا جا سکتا ہے ایک دفعہ تعزیت کے بعد بار بار آنا منع ہے۔ تین دن کے بعد سوگ منع ہے۔ سوائے بیوہ عورت کے کہ وہ چار ماہ دس دن سوگ کرے۔

☆ میت کے لئے انفرادی دعا تو مستحب ہے کہ زیادہ سے زیادہ کی جائے اور کسی کے لئے اس کی غیر حاضری میں دعا قبول بھی زیادہ ہوتی ہے۔ لیکن اجتماعی دعا کے لئے بیٹھنے اور اسے ہی تعزیت کا ذریعہ بنانے کا ذکر نہ سنتِ رسول ﷺ میں موجود ہے اور نہ ہی صحابہؓ سے ماثور ہے۔ انسان کو گاہے بگاہے قبرستان جانا چاہئے تاکہ قبر یاد رہے۔

☆ میت پر جزع فزع کرنے اور بین ڈالنے والوں پر آپؐ نے لعنت فرمائی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعیٰ بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ (متفق عليه)

☆ مالی صدقہ کے لئے کچھ احادیث میں جواز موجود ہے۔ لیکن بدنی عبادت کے لئے کوئی اثر موجود نہیں۔ حضرت عاص بن وائل نے سوال کیا کہ میرے باپ نے غلام آزاد کرنے اور صدقہ کرنے کی وصیت کی تھی تو کیا میں اس کے لئے اونٹ ذبح کر دوں؟ آپ نے فرمایا:

اِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِماً فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ اَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ اَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَه' ذَالِكَ (رواه ابو داؤد)

بے شک اگر وہ مسلمان ہوتا تو تم اس کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا صدقہ کرتے یا دعا کرتے تو اسے پہنچ جاتی۔ (گویا یہ بھی وصیت کی ادائیگی کے لئے تھا)

مندرجہ ذیل رسومات صرف ہندوستان میں مختلف صورتوں میں رائج ہیں اور یہ بھی سب کی سب ہندو مذہب سے ہمارے معاشرے میں رواج پا گئی ہیں۔ حالانکہ آنحضور ﷺ نے تین دن سے زائد سوگ کو سختی سے منع فرمایا ہے۔ تیجا یا سوئم' ساتواں یا دسواں' چہلم یا چالیسواں (یہی وجہ ہے کہ یہ سارے نام ہندی زبان کے اور ان کے لئے کوئی عربی کی فقہی اصطلاح موجود نہیں ہے) ہندوستان ہی کے رواج ہیں لیکن آج کل بہت سے لوگ انہی رسومات کو فرض بنائے بیٹھے ہیں اور زندگی میں جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ نے احکامات دیئے ہیں اور فرائض عائد کئے ہیں ان کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ بلکہ ان رسومات کی پابندی کو دین بنا دیا گیا ہے اور ان کے ذریعہ زندگی کے فرائض ادا نہ کرنے کا مداوا اور بدل بنا دیا گیا ہے۔ چنانچہ دین کا علم نہ رکھنے والے اکثر مسلمان ان رسوموں کو بخشش کا ذریعہ سمجھ کر پوری زندگی فرائض کی ادائیگی سے بھی اپنے آپ کو مستثنیٰ سمجھتے ہیں۔ ❁

قرآن اکیڈمی لاہور کے چیف اکاؤنٹینٹ محمد یونس صاحب کی اہلیہ 8 دسمبر بروز سوموار بقضائے الٰہی وفات پا گئی ہیں۔

☆☆☆

ڈائریکٹر قرآن اکیڈمی کے معتمد ذاتی جناب محمد خلیق کے داداجان بقضائے الٰہی وفات پا گئے ہیں۔
اللہ تعالیٰ مرحومین کی مغفرت فرمائیں۔ برزخ کی زندگی آسان فرمائیں۔ جنت الفردوس میں مقام عطا فرما کر درجات بلند فرمائیں اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا فرمائیں۔ قارئین ''ندائے خلافت'' اور رفقاء و احباب سے بھی مرحومین کے لئے دعائے مغفرت کی اپیل ہے۔

دیکھا جو تیر کھا کے......

قیامت صغریٰ کی ایک جھلک

امت مسلمہ اپنی تاریخ میں قدم قدم پر سازشوں کا شکار رہی ہے۔ کبھی غیروں نے قیامتیں برپا کیں اور کبھی اپنوں نے خنجر گھونپے۔ لیکن یہ امت اتنی سخت جان ثابت ہوئی کہ ہر بار پہلے سے زیادہ وقار کے ساتھ صفحۂ ہستی پر ابھری۔ تاہم جب اپنوں نے غیروں کو قیامت برپا کرنے کی دعوت دی تو یہ امت دل ہی توڑ بیٹھی۔ شکست تو خیر مقدر تھی ہی' پھر کھڑے ہونے کا قرینہ بھی یاد نہ رہا۔ مندرجہ ذیل واقعہ اس حقیقت پر شاہد ہے۔

ہلاکو نے دنیا بھر میں خوں ریزی اور قتل و غارت کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ جس طرف قدم بڑھاتا' ویرانیاں اور مایوسیاں پھیل جاتیں۔ مگر اپنی کامیابیوں کے باوجود وہ امت مسلمہ کے مرکز یعنی بغداد کی طرف قدم بڑھانے کی جراءت نہیں کر رہا تھا۔ اگرچہ اس دور میں امت مسلمہ ایک جماعت کا روپ کھو بیٹھی تھی تاہم مرکز اسلامی کی طرف نہ بڑھنے کی وجہ خلیفہ مستعصم باللہ کی موجودگی تھی۔ ہلاکو کو خوف تھا کہ حملہ کرنے کی صورت میں کہیں آسمان سے اس پر کوئی مصیبت نازل نہ ہو جائے۔ اس خدشہ کا اظہار جب اس نے اپنے مسلمان درباری نظام الملک طوسی سے کیا تو وہ ہنس پڑا اور یہ کہہ کر ہلاکو کی ہمت بڑھائی کہ:

''عادت اللہ دریں عالم چنیں قرار گرفتہ کہ امور بر مجازی طبیعت عالم باشد مستعصم باللہ در شرف نہ بہ یحییٰ بن زکریا میرسد نہ بہ حسین بن علی وایں دو را اعادی بہ تیغ سر بریدند' و جہاں ہمچناں بر قرار است''

(''اللہ تعالیٰ کا دستور اس جہاں میں ایسا رہا ہے کہ معاملاتِ دنیا طبعی قوانین کے تحت ہی واقع ہوتے ہیں۔ مستعصم باللہ شرافت میں نہ تو یحییٰ بن زکریا تک پہنچتا ہے اور نہ حسینؓ بن علی تک۔ اور ان دونوں کو ظالموں کی تلوار نے قتل کیا اور زمانہ بدستور چل رہا ہے''۔)

یہ سن کر ہلاکو ۶۵۵ھ میں تاتاری لشکر لے کر بغداد پر چڑھ دوڑا اور وہ تباہی اور بربادی برپا کی کہ الامان الحفیظ! اک گلزار کو ریگزار میں بدل دیا گیا' خلیفہ کو مار مار کر قتل کیا گیا اور اس کی لاش کو پاؤں تلے روند دیا گیا۔ تقی الدین بن ابی الیسر نے ان حالات پر مرثیہ لکھا' جس کا ایک شعر یہ ہے:

تاج الخلافۃ والربع الذی شرفت
بہ المعالم قد اعقاء افقار

(''خلافت کے تاجدار اور اس کے مرغزاروں کو جس پر کنگرے بلند تھے' ویرانی نے بالکل ہٹا دیا)

(تحریر: حافظ سعید احمد' میانوالی)

5. Compare Washington's behaviour with any of the past tyrants. "As the [war] toll nears 400, the casualties remain largely invisible. Apart from a flurry of ceremonies on Veterans Day, this White House has done everything it can to keep Mr. Bush away from the families of the dead, at least when there might be a camera around."

6. For the tyrants in Washington and London, democracy means promotion of their interest at cost of others' life and resources. "The reason the U.S. has found itself propping up royal autocrats in Saudi Arabia, Jordan, the Gulf emirates and pre-revolutionary Iran, and military autocrats in Egypt, Algeria and...Pakistan is that it prefers governments that will do Washington's bidding over the bidding of their own citizens."

7. Bush demand for a revolution in "undemocratic" Iran but loves to do business as usual with the self-appointed president in Pakistan. In reality, compared to Bush and Musharraf, the morally impressive President Mohamed Khatami was democratically elected — and by a far more convincing majority than Bush Jr. Is this how a "democratically" elected leader should call for revolutions and invasions against those who do not share his vision of the world?

8. In a speech before the National Endowment for Democracy (NED) on Nov 6, Bush portrayed Iraqi occupation as only the first stage in a US crusade for "democracy" that will continue "for decades to come." What kind of values are these that can only be promoted through the barrel of a gun?

9. What is the difference between Bush's establishing a "democratic" rule by raiding and netting "whole Iraqi villages" and Saddam Hussain's killing thousands for the stability of his regime? Is not it a sign that anyone who has the force to impose his will is having a legitimate ideology? So, for democratic tyrants, the use of disproportionate force and resources is as much a key to make people feel that occupation is liberation as much it was for Saddam Hussein or other tyrants before him.

10. During the course of social evolution, the reason people preferred establishing democratic governments was to protect the exercise of preexisting rights and having a say in how the government should act. The question, again, is, How do people in leading "democracies" today ensure that the governments that are called into existence to protect people's rights do not become the destroyer of those rights?

11. Remember, the basic inquiry was not, "Does the written or unwritten Constitution grant this particular right to the people?" but instead, "Does the Constitution grant this particular power to the government."_Now that the situation has completely reversed, can we still believe those who claim to be living in democracy are promoting democracy?

The list would keep growing if we keep on adding how democracy has failed. In short, the so-called democratically elected Governments are now functioning like hereditary elites in a bubble.

These "democratic" elites can scarcely be distinguished *qualitatively* from non-democratic tyrants. In a democracy, the state provides protection to this bubble from bursting, providing a space for elite power. The occupancy of the space changes but each new occupant learns the rules of the game and becomes a tyrant in his turn. Whatever party is in power, the agenda is essentially the same.

The only difference between the tyrants in the East and the West is that in the former case, the elite simply comprises the same individuals for a longer period. Their *domestic* abuses of human rights are commonly on a much larger scale than those of "democratic" regimes in the West, but the effective support of the media and so-called scholars of the West legitimize the tyranny as the best form of government.

Writers such as Thomas Friedman and William Safire of the *NY Times* and *Washington Post* are there to make the public believe that all those who "prevent [them] from enjoying and spreading [their] values" are "terrorists."_Exposing the reality of these vales and "democracy" is terrorism because awareness among a people, who are being lied to on mass scale, would hasten bursting the bubble of democracy.

Once the public is fully aware of the creeping tyranny, bubble zones would not be good enough to save the bubble of "democracy" from bursting.

Editorial, "Bush's British support," *Washington Times*, November 23, 2003)

William Safire, "Together They Stand," *New York Times*, November 17, 2003.

Politics – AFP: "One in 7 Americans agree with Bush on Iraq," Wed Nov 5, 2003, 3:36 PM ET http://story.news.yahoo.com/news?tmpl=story&u=/afp/20031105/pl_afp/us_iraq_poll

Editorial, Vision and Reality, *Washington Post*, Sunday, November 23, 2003; Page B06. It is worth noting that the resistance to US occupation in Iraq is across the board. It is not limited to what the US media and politicians refer as "thugs, Saddam Loyalists, etc." To see how the US is greeted in Iraq, see the Independent report that says: "The attack was unusually ferocious, even by the ruthless standards of this seven-month conflict. It dealt a blow to the US strategy of promoting the view that the majority of Iraqi civilians are on the side of the "coalition", and that its only enemy is a small number involved in armed resistance." Iraqi mob mutilates bodies of US troops killed by guerrillas By Phil Reeves in Tikrit 24 November 2003.

Can anyone imagine the US Congress first approving invasion and occupation of two countries and then approving hundreds of billions of dollars to continue and consolidate that occupation. It shows a whole system backing up a web of tyrannical policies. Before this tyrannical system, Bush and Blair are as much helpless puppets as they treat the people they rule.

"Billionaire Soros takes on Bush, Ousting president 'central focus of my life,'" he says

Skepticism about U.S. deep, Iraq poll shows By Walter Pincus, *Washington Post*, November 12, 2003. The poll, funded by Gallup, was conducted through face-to-face interviews with 1,178 Baghdad residents between Aug. 28 and Sept. 4. (http://www.washingtonpost.com/wp-dyn/articles/A27979-2003Nov11.html).

Chris Marsden, "Meet the people"—Bush and Blair style," SWS, 22 November 2003.

Esther Schrader and Josh Meyer, "U.S. Seeks Advice From Israel on Iraq," Los Angeles Times, November 22, 2003.

G. John Ikenberry, professor of geopolitics and global justice at Georgetown University, Washington, quoted in Altered states, by Louise Williams is a *Herald* journalist and former correspondent in South-East Asia. November 22, 2003

ANDREW ROSENTHAL, "Accounting for the Invisible Casualties of War Shouldn't Be a Matter of Politics," New York Times, November 14, 2003.

Tom Karon, "If Bush is Serious About Arab Democracy..." Time Magazine, Friday, Nov. 07, 2003

Hamza Hendawi, "U.S. Raid Nets Whole Iraqi Village," Associated Press, Thu Oct 23, 3:29 PM ET

Read the First Amendment to US constitution carefully. Note that it does not grant people freedom of speech, freedom of the press, or freedom of religion. Instead, it prohibits the government from interfering with those fundamental rights. Notice that the Second Amendment prohibits the government from interfering with the right of the people to own weapons, another right that exists independently of whether government exists or not.

Thomas Friedman, "The way we were," *NY Times*, Nov, 23, 2003.

Vol : 12 Regd. No. LRL -50 No.45

Weekly Nida-e-Khilafat Lahore

View Point

Abid Ullah Jan
(E-mail:abidjan@tanzeem.org)

Protecting the Bubble of Democracy

As armies of the "civilized world" are out to turn almost every Muslim country into another West Bank and Gaza strip, it is interesting to note that both the champions and their convoluted form of democracy can hardly survive without extensive security bubbles.

George Bush's fear to come out of his four million pound "exclusion zone in a country called the "closest ally" and his Secretary of State's refusal to attend the 50th anniversary celebration of the Marshall scholarships in London are just recent examples of how godfathers of "democracy" are scared to face their own people.

The flag bearers of democracy cannot rule - this world without hiding in security bubbles. It is not so because "terrorist" hate their freedom. It is because all kinds of violence is the direct result of their words, deeds and pseudo-democracy.

According to one of the basic principles of democracy, the majority retains and exercises the policy-making and law-making initiative through their representatives, rather than being subject to it.

These representatives are servants of the people, not their masters. Their job is to listen, respond and deliver to that which is demanded by the people.

No one sees this principle in operation in any of the crusading states which are at the forefronts of bloodshed for democracy. According to an internet poll by the *Independent*, more than 91 percent people respondents rejected Bush's presence in the UK. It is, in words, rejection of Bush and Blair's policies and practice of freedom and democracy.

None of these elected dictators is willing to listen to the majority of his people. To the contrary, faithful *Washington Times* calls the protesters "rabble-rousers" and William Safire of the *New York Times* calls them "anti-war crowd." Remember, "crowd" is used as a derogatory term. The most respectful of the western analysts happened to use it for the Taliban.

By this definition, a clear majority (60 percent British, questioned by YouGov), which branded Bush a threat to world peace, is a crowd. Only 14.2 per cent innocent Americans are not rabble-rousers because they still agree with Bush on Iraq,

On the media front, the state of "democracy" is such that the *Washington Post* fully supports Bush and wishes him success. "We hope that U.S. forces fighting the Iraqi resistance will prove as steadfast as Mr. Bush says -- but for now, at least, the thugs and assassins are getting a mixed message," says its November 23 editorial.

This is how an "open, accountable and diverse mass media" operates in a leading "democracy." It considers everything fair for imposing "democracy." However, every kind of resistance to occupation is work of the "assassins and thugs," because its "elected" ruler says so.

If instead of Bin Laden, Bush and Blair are on the run; if despite $6.8 million "security bubble," Bush cannot face the public and even British Parliament; if after two years and tall claims of smoking Osama out of caves, the US Secretary of State could not deliver a speech to his own people in London, it does not mean there is something wrong with Muslims or the Muslim world.

It simply means there is something wrong with the values and ideals and the way Bush and his allies are promoting these by the sword.

Majority of people around the world are considering Sharon, Bush and Blair as threat to the world peace. This however is not true. They are only representatives of a tyrannical system and totalitarian ideology, which is in fact the real threat.

Bush, Blair and Sharon are torch bearers of values and ideology that are corrupted and exploited to the core. The systems which churned them up have transformed the modern form of governance to the most perfect tyranny of human history.

As long as the White House is guided by what the American billionaire Soros calls "supremacist ideology," every incumbent will be as much a tyrant as much we witness in the image of George Bush.

Words of Bush may remind Soros of the "Nazi slogans on the wall," but we must realize that the situation is far worse than the situation in Germany under Hitler because it is not limited to a single country or a continent.

Bush and his allies are neither promoting democracy nor freedom. Otherwise, why would Iraqi's be willing to sacrifice their lives? Thugs and assassins do not take their own lives for a cause. It only shows that Iraqis preferred life under the tyranny of Saddam than the "democracy" of Bush and Blair.

Only 1 percent of those polled said they believed the US was in Iraq to establish democracy there. According to Walter Pincus of *Washington Post*, three-quarters of those polled said they believed the policies and decisions of the Iraqi Governing Council were "mostly determined by the coalition's own authorities."

Bush and his "democratic" company may say that Iraqi do not know about the good intentions of the US. We might argue that most of the Americans do not know how they are taken for a ride in the name of democracy.

Even if we agree that Muslims are biased, dismissing results of polls conducted in Europe and America shows that people's opinion is relevant no more. It means people cannot be trusted as *Washington Times* attempts to make us believe that the dissidents are "rabble rousers." So what's the use of talking about "will of the majority?" Where is democracy"?

1. Is it democracy in which "there is no possibility any longer of unpoliced contact between the rulers and the ruled—for fear that the illusion of support for their policies so carefully cultivated by the media will be exposed as a lie"?
2. What kind of democracy the US wants to establish in Iraq for which it needs taking lessons from Israel?
3. In a press conference in London, Bush and Blair said they "like and respect protesters right to free speech." Is respect alone enough for running democracies? This rhetoric of respects evaporates in the face of continued terrorism by the leading tyrannies of the world. Their actions are louder than their words.
4. What is called "Washington's behaviour" is in fact product of the prevailing tyranny. More and more people, such as Professor Ikenberry, are realizing its oddities. The US "emerging grand strategy" for imposing democracy contains a double standard, he says. "Sovereignty becomes more absolute for America even as it becomes more conditional for countries which challenge Washington's standards of internal and external behaviour."